ماہنامہ
الندوہ
جمادی الاول 1431ھ/ مئی 2010ء
مصنوعی مظلومیت، حقیقی مظلومیت
کا پیش خیمہ ہے
الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

مَجْمُوْعَہ تَعَوُّذَات
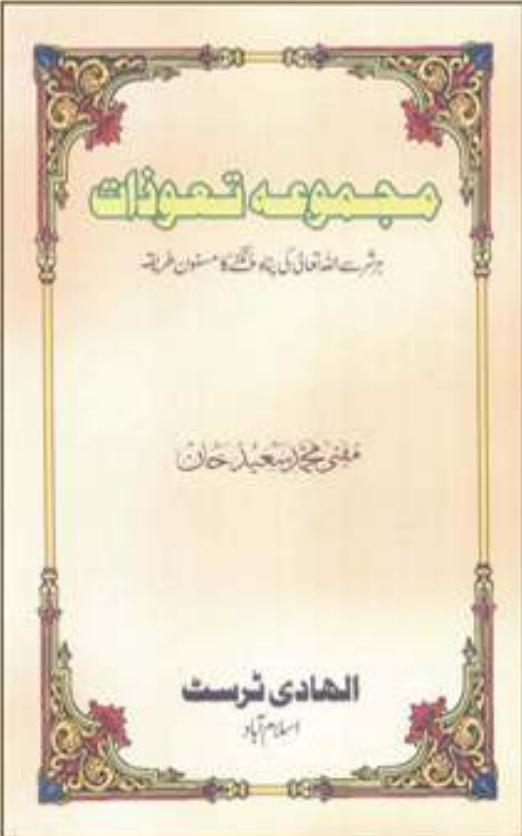
آفات و مصائب انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل ہو جائے وہ ان تمام تکالیف سے مامون ہو جاتا ہے۔

کن الفاظ کے ذریعے پناہ مانگی جائے..........؟

کتاب و سنت سے انہی الفاظ کو چن کر یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے اور ایسی دعائیں جمع کی گئی ہیں جنہیں روزانہ صبح و شام یا پھر دن میں ایک مرتبہ یا پھر ہفتے میں میں ایک بار توجہ سے پڑھنا، تعلق مع اللہ کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔

ادارہ المناد، شفیع پلازہ، بینک روڈ صدر، راولپنڈی۔

فون نمبر: 0092-51-5111725

موبائل: 0092-333-5134333

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ العُلیَا۔

(پ: ۱۰،س: التوبۃ، آیت: ۴۰)

اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند رہی۔

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ کا ترجمان

جلد: 1 | جمادی الاول 1431ھ/ مئی 2010ء | شمارہ: 5

مؤسس و مسؤل:

مفتی محمد سعید خان

الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک، اسلام آباد، پاکستان۔ 46001

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

تسامحات

1 آثار نبوی ——— 3

پتہ برائے خط و کتابت:

(1) الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، چھتر پارک،

اسلام آباد۔ پوسٹ کوڈ 46001

(2) الندوہ۔ پوسٹ بکس نمبر 1940

جی۔پی۔او۔اسلام آباد

E-Mail: alnadwa@seerat.net

ٹیلی فون نمبر: 0092-51-2860164

موبائل: 0300-5321111

www.seerat.net

برائے ترسیل زر:

بنام: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ

اکاونٹ نمبر 01-8637741-01

سٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک پاکستان.

پاکستان فی پرچہ: 25روپے

پاکستان سالانہ: 300روپے

بیرون ملک سالانہ: 25 امریکی ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آثار نبوی

1

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم '' میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''فصل فأما مقامات الانبياء والصالحين وهي الأمكنة التي قاموا فيها'' اور اُس کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس میں بار بار اِس امر پر اصرار کیا ہے کہ اماکن اور مواضع (Places) میں کوئی برکت نہیں ہوتی. اللہ تعالیٰ کے نیک بندے، حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ جہاں پیدا ہوتے ہیں، جہاں وہ زندگی گذارتے ہیں، جہاں عبادت کرتے ہیں اور جن مقامات پر ان کی تدفین ہوتی ہے، کسی بھی جگہ میں کوئی برکت نہیں پائی جاتی چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:[1]

فأما العكوف والمجاورة عند شجرة أو حجر، تمثال أو غير تمثال، أو العكوف والمجاورة عند قبر نبي أو غير نبي،

جہاں تک کسی درخت یا پتھر کے پاس ٹھہرنے یا اس مقام پر مجاور بننے کا معاملہ ہے تو یہ فعل خواہ کسی بت کے ساتھ ہو یا بت کے علاوہ کوئی چیز ہو، کسی نبی علیہ

---

[1] اقتضاء الصراط المستقيم، فصل:العكوف عند القبور والآثار من دين الوثنية، ص:٤٤١.

فليس هذا من دين المسلمين . بل هو من جنس دين المشركين الذين أخبر الله عنهم.

الصلاۃ والسلام کی قبر ہو یا غیر نبی کی یا کسی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے آثار میں سے کوئی مقام ہو یا غیر نبی کا مقام ہو (ان مقامات پر ٹھہرنا یا مجاورت اختیار کرنا) یہ مسلمانوں کا دین نہیں بلکہ یہ مشرکین کے دین کی وہ قسم ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں) دی ہے.

انہوں نے اس عبارت میں یہ وضاحت فرما دی ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت رسالت مآب ﷺ کے روضۂ مبارک کی روزانہ زیارت اور روزانہ سلام پیش کرنے کی نیت سے مدینہ منورہ میں ٹھہرنا چاہے تو اس کے اس عمل کا تعلق اسلام سے نہیں ہے بلکہ شرک سے ہے.

اسی طرح وہ تمام مساجد جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے مقبروں اور بادشاہوں کی قبروں کے ساتھ ہیں انہیں بھی مٹا دینا چاہیے اور اپنے اس فتوے پر انہیں اتنا اصرار ہے کہ تحریر فرماتے ہیں:[1]

هذا مما لا أعلم فيه خلافا بين العلماء المعروفين وتكره الصلاة فيها من غير خلاف أعلمه.

جہاں تک مجھے علم ہے جو مشہور علماء ہیں ان میں سے کسی کو بھی اس مسئلے میں (مجھ سے اختلاف) نہیں ہے اور ایسی مسجدوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور میرے علم کے مطابق کسی بھی صاحب علم کو اس مسئلے میں (مجھ سے) اختلاف نہیں ہے.

پھر ان کا فرمانا یہ بھی ہے کہ جو شخص بھی مدینہ طیبہ میں مقیم ہو یا مسجد نبوی میں جا کر ہر وقت حضرت رسالت مآب ﷺ پر سلام پیش کرتا رہے تو اس کا یہ فعل:

فإن ذلك بدعة

یہ کام بدعت ہے.

---

[1] اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۳۳۰.

اس فصل کو مکمل طور پر پڑھ لیجیے تو وہ واضح طور پر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی مسجد، مسجد نبوی میں اور مدینہ طیبہ کی دیگر مساجد میں کوئی فرق نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے تو یہ مسجد مسلمانوں کے کسی بھی عام گلی محلے کی مساجد کی طرح کی ہی ایک مسجد ہے۔[1]

حضرت رسالت مآب ﷺ کی قبر مبارک میں بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لیے وہاں خاص طور پر دعا مانگنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔[2]

اور یہ کہنا ہم نے اس قبر مبارک کی زیارت کی ہے تو ان الفاظ میں تو بدعت اور شرک ٹپکتا ہے۔[3]

اس لیے وہ صاف صاف تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت میں بھی کوئی فضیلت نہیں ہے اور وہ تمام احادیث جن میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہونے کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، سب کی سب روایات اپنے پاس سے گھڑی ہوئی بلکہ جھوٹ پر مبنی ہیں۔[4]

---

[1] وليس بالمدينة مسجد يشرع إتيانه إلا مسجد قباء. وأما سائر المساجد: فلها حكم المساجد العامة ولم يخصها النبي ﷺ بإتيان. ولهذا كان الفقهاء من أهل المدينة لا يقصدون شيئاً من تلك الأماكن إلا قباء خاصة، (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ٤٣٣).

[2] الثاني: أن قصد القبور للدعاء عندها، ورجاء الإجابة بالدعاء هناك، رجاء أكثر من رجائها بالدعاء فى غير ذلك الموطن. أمر لم يشرعه الله ولا رسوله، ولا فعله أحد من الصحابة ولا التابعين، ولا أئمة المسلمين، ولا ذكره أحد من العلماء والصالحين المتقدمين، بل أكثر ماينقل من ذلك عن بعض المتأخرين بعد المائة الثانية، وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أجدبوا مرات، و دهمتهم نوائب غير ذلك. فهلا جاء وافاستسقوا واستغاثوا عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم؟ (ص: ٣٣٨).

[3] غلب في عرف كثير من الناس استعمال لفظ (زرنا) في زيارة قبور الأنبياء والصالحين على استعمال لفظ زيارة القبور في الزيارة البدعية الشركية لا في الزيارة الشرعية، (ص: ٤٠٠).

[4] ولم يثبت عن النبي ﷺ حديث واحد في زيارة قبر مخصوص. ولا روى أحد في ذلك شيئاً، لا أهل الصحيح ولا السنن ولا الأئمة المصنفون في المسند كالإمام أحمد وغيره. وإنما روي ذلك من جمع الموضوع وغيره. ....من حج ولم يزرني فقد جفاني ونحو هذه الأحاديث كلها مكذوبة موضوعة. (ص: ٤٠١).

بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو اپنے ارادے اور قصد سے حضرت رسالت مآب ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت کر کے سفر کرتے ہیں اور ان کا یہ سفر محض شیطانی عمل ہے اور شیطان نے اس گناہ کو ان کے سامنے نیکی بنا کر پیش کر دیا ہے۔[1]

اس لیے وہ اس بات کے تو قائل ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سب سے اعلیٰ و افضل ہیں لیکن آپ کی قبر اور مضجع مبارک بھی سب سے افضل مقام قرار پائے، اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ پھر وہ اس بات سے آگے بڑھے اور یہ بھی تعلیم دی کہ پاکیزگی اور تقدس، اماکن میں نہیں ہوا کرتا اس لیے وہ تمام مساجد جو آثار نبوی پر بنائی گئی ہیں، یا وہ تمام مقامات جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے کوئی نسبت ہے، یعنی جہاں وہ پیدا ہوئے ہیں یا جہاں ان پر وحی نازل ہوتی تھی یا جہاں پر کبھی وہ تشریف فرما ہوئے تھے یا جہاں پر ان کا گھر تھا وغیرہ وغیرہ، سب کو تباہ و برباد کر دینا چاہیے کیونکہ ان میں نہ کوئی پاکیزگی ہے اور نہ ہی انہیں باقی رہنے دیا جائے، اِن کے باقی رہنے میں کچھ فائدہ نہیں اور اگر فائدہ ہے تو صرف یہ کہ یہاں سے شرک و بدعت پھیل رہا ہے اس لیے انہیں مٹا دینا چاہیے۔[2]

2

تاریخِ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ کسی بھی نظریے کے پس پشت جب حکومت کی طاقت ہوتی ہے، تو وہ نظریہ جلد یا بدیر عوام کا مذہب بن جاتا ہے۔ سپین میں فقہ مالکی کے عام ہو جانے اور اس کے عروج

---

[1] وقد زين الشيطان لكثير من الناس سوء عملهم، واستزلهم عن إخلاص الدين لربهم إلي أنواع من الشرك. فيقصدون بالسفر و الزيارة رضى غير الله، و الرغبة إلى غيره، ويشدون الرحال: إما إلى قبر نبي أو صاحب أو صالح، أو من يظنون أنه نبي أو صاحب أو صالح، داعين له راغبين إليه،(ص:٤٥٧).

[2] وأصل دين المسلمين: أنه لا تختص بقعة بقصد العبادة فيها الا المساجد خاصة. وما عليه المشركون و أهل الكتاب من تعظيم بقاع العبادة غير المساجد، كانوافى الجاهلية: يعظمون حراء ونحوه من البقاع: هومما جاء الا سلام بمحوه و الزالته و نسخه. (ص:٤٣٩)

کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہاں کے اموی حکمرانوں نے فقہ مالکی پر عمل کرنا شروع کیا وہاں کا آئین، ملکی قوانین اور عدل کا پورا نظام فقہ مالکی پر مشتمل تھا. فقہ حنفی جو اَب دنیا میں اہل السنۃ والجماعۃ کی اکثریت کا مسلک ہے، اس کے شیوع کا ایک راز بنو عباس کا اس فقہ کو قبول کر لینا تھا. انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں سرکاری طور پر فقہ حنفی کو رائج کیا اور اِس طرح ان کے ماتحت علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں نے اس مسلک کو اپنا لیا.

ایران اہل السنۃ والجماعۃ کا مرکز تھا لیکن جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے ۹۰۵ھ عنان اقتدار سنبھالی تو انہوں نے اثنا عشری جعفری مسلک کو سرکاری مذہب قرار دیا حکومت کے تمام اسباب و وسائل فقہ جعفریہ کو نافذ کرنے، اس مسلک کی اشاعت و ترویج میں خرچ ہوئے.[1] یہاں تک کہ سلطنت عثمانیہ یا خلافت عثمانیہ کے بالمقابل یہ ایک متوازی سلطنت قائم ہوگئی عوام کا مسلک آہستہ آہستہ تبدیل ہونا شروع ہوا اور صرف چند نسلوں کے بعد فقہ جعفریہ کو عوام کی اکثریت نے بطورِ مسلک قبول کر لیا تھا اور پھر فقہ جعفریہ ہی کی مؤید حکومتیں آج تک قائم ہوتی رہی ہیں. اگر نظر وسیع تر ہو تو سرمایہ دارانہ نظام جس کا عفریت آج بھی دنیا بھر پر مسلط ہے، اور کارل مارکس کے نظریات جو آج بھی زندہ اور دنیا کے کئی ایک ممالک میں

---

[1] اس خاندان کا سب سے زیادہ باعظمت حکمران شاہ عباس تھا، جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے جانا جاتا ہے. ۹۹۵ھ سے لے کر ۱۰۳۷ھ تک ایران میں اس نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ان میں سے ایک کارنامہ مختلف عمارات کے تعمیری منصوبے تھے، جو مکمل ہوئے اور وہ تمام عمارتیں آج بھی ایران میں اپنے بانی کے حوصلہ مند ہونے کی خبر دیتی ہیں. اس نے ترکوں سے لڑ کر دو اہم شہر ایران میں شامل کر دیے جو خود اس کے لیے اور اس کے ہم مسلک افراد اور قوم کے لیے مذہبی اعتبار سے بہت اہم تھے یعنی نجف اور کربلا.

شاہ عباس کا نجفِ اشرف سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے عظیم حکمران ہونے کے باوجود اس کام میں (جسے وہ عبادت سمجھتا تھا) کوئی عار محسوس نہیں کی کہ اصفہان سے مشہد تک آٹھ سو میل کا پیدل سفر کیا، پھر نجف حاضر ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مزار پر جھاڑو دی.

کلی یا جزوی طور پر حصہ معیشت ہیں، ان دونوں کو اسی وقت دوام ملا جب سرمایہ دارانہ نظریات کو یورپ کے حکمرانوں نے اور مارکسزم کو روس میں حکومت کی طاقت ملی.

اسی طرح وہ تعلیمات جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھیں اور ان کی کتابوں میں مرقوم تھیں، تقریباً چھ سو برس تک حکومت کی طاقت سے محروم تھیں.

بارھویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (از ۱۱۱۵ھ تا ۱۲۰۶ھ) نے درعیہ، نجد میں ان تعلیمات کی تبلیغ شروع کی اور ال سعود جو آج بھی سعودی عرب کے فرمانروا ہیں، انہوں نے ان تعلیمات کا گہرا اثر قبول کیا. اس وقت تو یہ خاندان خلافتِ عثمانیہ کے زیر اثر عام شہریوں کی طرح ہی کا ایک خاندان تھا لیکن بعد ازاں ایک انقلاب کے نتیجے میں جب انہوں نے اقتدار سنبھالا اور سعودی سلطنت کی بنیاد رکھی تو وہ تعلیمات جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھیں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ذریعے ان تک پہنچی تھیں. انہوں نے ان تعلیمات کو اپنی مملکت میں نافذ کیا.

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اماکن کی تقدیس کے نہ صرف یہ کہ قائل نہیں تھے بلکہ ان جگہوں کو شرک وبدعت کے مراکز سمجھ کر ان کو مٹانے کی تعلیم دیتے تھے اس لیے سعودی فرماں روا سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل ال سعود نے ۱۳۴۳ھ میں یہ حکم دیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے تمام آثار کو مٹا دیا جائے.

چنانچہ ہر وہ عمارت جس کے ساتھ مسلمانوں کی سینکڑوں برس کی تاریخ وابستہ تھی اور وہ گھر اور قبریں جو برسہا برس سے محفوظ آثارِ قدیمہ تھیں چند دنوں میں ملیامیٹ کر دی گئیں. شرک وبدعت کے مراکز مٹاتے مٹاتے، آثارِ قدیمہ اور تاریخ کو ملیامیٹ کر دیا گیا.

پورے عالم اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اُمت مسلمہ سراپا احتجاج بن گئی لیکن حکومتی اقدامات کے سامنے کون ٹھہر سکتا تھا. یہ کارروائی جاری رہی اور اس عالمگیر احتجاج کو روکنے اور علماء امت کے سامنے اصل حقائق کو واضح کرنے کے لیے اگلے برس ۱۳۴۴ھ بمطابق 1924ء میں مؤتمر عالمی اسلامی کا

اجلاس بلایا گیا. سلطانِ وقت عبدالعزیز بن سعود خود اس مؤتمر میں تشریف لائے اور اہل علم کے ساتھ بحث وتمحیص میں حصہ لیا.

بہت زور وشور سے یہ سوال اٹھا کہ آثارِ نبوی سے تبرک حاصل کرنا یا ان اماکن میں برکت کا ہونا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ شریعت کی تعلیمات اس معاملے میں کیا ہیں؟

سلطانِ وقت اور ان کے مؤید علماء کا موقف یہ تھا کہ ان آثار میں کوئی برکت نہیں ہے. حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش اور ان کا گھر بھی عام گھروں جیسا ہے. جنت البقیع میں جو تمام مزارات توڑ کر زمین کے برابر کردیے گئے ہیں تو اس لیے کہ اُن قبروں میں کوئی برکت نہیں ہے. مدینہ طیبہ میں وہ تمام کنوئیں اور جن جن جگہوں کے متعلق یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ یہاں تشریف لایا کرتے تھے، یہاں سے پانی پیتے تھے، تو ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے اس لیے ان سب کو مٹادیا گیا. جب کہ اُمت مسلمہ کے جید علماء اور اہل علم کی اکثریت اس نقطۂ نگاہ کے بالکل خلاف تھی.

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ سب کچھ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا اثر تھا اور وہ ان آثار کو مٹانے میں اتنے مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ بسا اوقات صحیح اور ثابت شدہ احادیث کا بھی انکار کردیتے تھے. یہی وہ کمی تھی جسے اُن کے شاگرد عزیز ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنایا اور پھر یہی کمی آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتے ہوتے اِس صدی کے ان علماء میں بھی پہنچی جو اس مسلک کے پیروکار ہیں.

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں تحریر فرماتے ہیں:[1]

> صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ معراج کی شب میں جب بیت المقدس حاضر ہوئے تو دو رکعتیں ادا فرمائیں. لیکن انہوں نے سوائے اس مقام (بیت المقدس) کے نہ تو کسی اور مقام پر نماز پڑھی اور نہ ہی

---

[1] وقد ثبت فی الصحیح أن النبي صلی اللہ علیه وسلم لما أتی بیت المقدس لیلة الإسراء صلی فیه رکعتین ولم یصل بمکان غیره ولا زاره. وحدیث المعراج فیه ماهو فی الصحیح. وفیه ماهو فی ......

اس کی زیارت کی.

معراج کے واقعے کی احادیث میں جو باتیں درست ہیں وہ تو درست ہیں جو کہ حدیث کی کتابوں سنن اور مسانید میں آئی ہیں. اور کچھ روایات ضعیف ہیں اور کچھ روایات میں جھوٹ کی آمیزش ہے جیسے کہ بعض راویوں نے یہ روایت بیان کی کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ یہ آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے. آپ یہاں اُتر کر نماز پڑھیے. اور یہ آپ کے بھائی سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی جائے پیدائش ہے آپ یہاں اُتر کر نماز پڑھیے. اور اِن سب جھوٹی روایات میں سے وہ روایت تو بہت ہی جھوٹ پر مبنی ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ یہاں مدینہ طیبہ میں اُتریں اور نماز پڑھیں حالانکہ اس وقت تو مسجد نبوی تھی ہی نہیں بلکہ وہ تو مشرکین کا قبرستان تھا. حضرت رسالت مآب ﷺ تو ہجرت کے بعد وہاں اُس وقت اُترے ہیں جب آپ کی اونٹنی وہاں پہنچ کر بیٹھ گئی تھی یہ روایت اور اِس طرح کی بہت سی روایات جھوٹ پر مشتمل ہیں جیسے کہ جاننے والے جانتے ہیں. اور رہ گئی

.... السنن أو في المسانيد. وفيه ماهو ضعيف. وفيه ماهو من الموضوعات المختلقات. مثل مايرويه بعضهم فيه(أن النبى صلى الله عليه وسلم قال له جبرائيل: هذا قبر أبيك إبراهيم، أنزل فصل فيه. وهذا بيت لحم مولد أخيك عيسى، أنزل فصل فيه). وأعجب من ذلك: أنه قد روي فيه(أنه قيل له في المدينة : انزل فصل ههنا) قبل أن يبنى مسجده. وإنما كان المكان مقبرة المشركين .والنبي صلى الله عليه وسلم بعد الهجرة إنما نزل هناك لما بركت ناقته هناك .فهذا ونحوه من الكذب المختلق باتفاق أهل المعرفة. وبيت لحم كنيسة من كنائس النصارى ليس في إتيانها عند المسلمين، سواء كان مولد عيسىٰ أو لم يكن. (اقتضاء الصراط المستقيم، ص:٤٣٨-٤٣٩).

حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی جائے پیدائش تو وہ تو اب عیسائیوں کا گرجا ہے. وہاں جانے میں کوئی فضیلت نہیں .وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے یا نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا.

اپنی اس عبارت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو دعوے کیے ہیں، ان میں سے صرف تین باتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت میں یہاں کچھ تحریر کرنا ہے.

1. حضرت رسالت مآب ﷺ سفر معراج میں مکہ مکرمہ سے لے کر بیت المقدس تک کسی مقام پر نہیں ٹھہرے.
2. کہیں بھی نوافل ادا نہیں فرمائے.
3. اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مختلف مقامات پر ٹھہرنا اور نماز پڑھنا سب کہانیاں ہیں اور جھوٹ کا پلندہ ہیں.

انہی بلند بانگ دعوؤں سے ملتی جلتی بات ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی ہے:[1]

وقد قيل إنه نزل بيت لحم، وصلى فيه، ولم يصح ذلك عنه البتة.

اور یہ کہا گیا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ بیت لحم (مولد سیدنا مسیح علیہ السلام) کے مقام پر اُترے اور آپ نے وہاں نماز پڑھی. یقیناً یہ بات درست نہیں ہے.

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے متبعین اب تک یہی دعوے نسلاً بعد نسلٍ کرتے چلے آئے ہیں اور متذکرہ بالا دونوں عبارتوں کو اب بھی شد ومد سے پیش کرتے ہیں کہ اماکن اور آثار نبویہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں کوئی برکت نہیں. چنانچہ جامعہ امام محمد بن سعود ریاض کے کلیۃ الشریعۃ کے ایک استاد ناصر بن

---

[1] زادالمعاد، الاسراء والمعراج، فصل. ج:٣، ص:٣٤.

عبدالرحمٰن الجدیع نے ۱۴۲۱ھ میں ایک کتاب "التبرك" کے نام سے لکھی ہے اوراس میں "الباب الثالث التبرك الممنوع" کی الفصل الثاني الممنوع من التبرك بالصالحين في حياتهم وبعد وفاتهم". (ص: ۳٤۱) میں یہی دعوے دہرانے کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش تاریخ طور پر مشکوک اور ثابت نہیں ہے اور اگر ان آثار نبویہ میں سے کوئی اثر تاریخی طور پر ثابت ہو بھی جائے تو اس میں کوئی برکت نہیں ہے. وہ اپنے اس نظریے کی تائید میں اس فصل سے پہلی فصل میں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو حضرت رسالت مآب ﷺ کے پہلو میں قبر کی جگہ مل جائے تو یہ بھی کوئی برکت کی بات نہیں ہے.[1]

آیئے ذرا اِن بلند بانگ دعووں کو دلائل کی روشنی میں دیکھیں اور انصاف سے یہ جانچیں کہ یہ دعوے ان اکابرینِ علم رحمہم اللہ کے تسامحات ہیں یا پھر یہ کہ ایک خودساختہ نظریے کو اُمت کی ہر نئی نسل پر مسلط کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش ہے.

من ذالذی ماساء قط ومن له الحسنی فقط

وہ کون ہے جس سے زندگی میں کوئی غلطی نہ ہوئی ہو؟ اور وہ کون ہے جس نے تمام عمر محض نیکیاں ہی کی ہوں؟

① حضرت امام محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۱۰ھ نے حدیث اور سیرت پر اپنی

---

[1] يجاب علي هذه الشبهة بأن هذا التصرف من عمر رضي الله عنه لا يدل علي التبرك بالقبر النبوی الشريف مطلقا، إنما كان قصده رضی الله عنه أن يكون قريبا من صاحبيه و رفيقيه النبی ﷺ وأبی بكر الصديق رضی الله عنه بعد الوفاة، كما كان كذلك فی الحياة.

والشاهد علی ذلك أن عمر قد أوصی ابنه عبدالله رضی الله عنهما أن يقول لعائشة رضی الله عنها: ((يستأذن عمربن الخطاب أن يدفن مع صاحبيه)) وليس فی هذا إشارة إلی التبرك بالقبر النبوی، بل فيه إشارة إلی الصحبة فقط. (الباب الثالث، التبرك الممنوع، أدلة عدم شرعية التبرك بقبره ﷺ، شبه المخالفين والرد عليها، ص: ۳٤۰).

کتاب "تہذیب الآثار" میں واقعہ معراج پر بھی بحث کی ہے اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی زبانی اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

براق مجھے لے کر اڑا اور اس کا قدم وہاں پر پڑتا تھا، جہاں اُس کی نگاہ پڑتی تھی. یہاں تک کہ ہم ایک ایسی زمین پر پہنچے جہاں پر کھجور کے درخت، کثرت سے تھے. جبریل نے کہا "آپ یہاں اُتریں" تو میں وہاں براق سے اُترا، اُنہوں نے کہا کہ "آپ نماز ادا فرمائیں" میں نے نماز پڑھی. ہم پھر سوار ہوئے تو جبریل نے سوال کیا "آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟" میں نے جواب دیا "اللہ ہی بہتر جانتے ہیں" انہوں نے فرمایا "آپ نے یثرب میں نماز پڑھی ہے. یہ نماز آپ نے (مدینہ) طیبہ میں پڑھی ہے".

میں پھر چلا اور براق وہاں قدم رکھتا تھا جہاں اُس کی نگاہ پڑتی تھی. یہاں تک کہ ہم ایک ایسی زمین پر پہنچے جو بالکل سفید تھی. جبریل نے کہا "آپ یہاں اُتریں". میں وہاں اُترا تو انہوں نے کہا "آپ یہاں بھی نماز پڑھیے" میں نے نماز ادا کی. ہم پھر سوار ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا "آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا فرمائی ہے". میں نے کہا "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں". انہوں نے کہا "آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز پڑھی ہے".

میں پھر چلا اور براق اڑا جہاں اُس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا. پھر ہم ایک ایسی سرزمین پر پہنچے جہاں کے محلات صاف دکھائی دے رہے تھے. انہوں نے فرمایا "آپ یہاں اُتریں". میں وہاں اُترا تو انہوں نے فرمایا "یہاں بھی نماز ادا فرمائیں" میں نے نماز ادا کی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو

معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا فرمائی ہے تو میں نے کہا'' اللہ تعالیٰ ہی زیادہ
بہتر جانتا ہے'' تو انہوں نے بتایا کہ میں نے "بیت لحم" میں نماز پڑھی ہے
جہاں سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے تھے۔[1]

---

[1] حدثنا شداد بن أوس قال قلنا : يا رسول الله، كيف أسري بك ليلة أسري بك ؟ قال : صليت لأصحابي صلاة العتمة بمكة معتماً، فأتاني جبريل بدابة بيضاء فوق الحمار ودون البغل، فقال: اركب. فاستصعبت على فردها بأذنها، ثم حملني عليها، فانطلقت تهوي بنا، تضع حافرها حيث أدرك طرفها،حتي بلغنا أرضاً ذات نخيلٍ، فقال : انزل .فنزلت، قال : صل.فصليت، ثم ركبنا فقال : أتدري أين صليت؟ قال قلت : الله اعلم. قال : صليت بيثرب، صليت بطيبة، ثم انطلقت تهوي[بنا]يقع حافرها حيث أدرك طرفها حتي بلغنا أرضاً بيضاء، فقال : انزل. فنزلت، ثم قال : صل. فصليت، ثم ركبنا فقال : أتدري أين صليت؟ قال : قلت الله أعلم. قال : صليت بمدين، صليت عند شجرة موسىٰ صلى الله عليه وسلم. ثم انطلقت تهوي بنا يقع حافرها حيث أدرك طرفها، ثم بلغنا أرضاً بدت قصورها، ثم قال : انزل. فنزلت، قال : صل. فصليت ثم ركبنا قال : أتدري أين صليت؟ قال، قلت الله أعلم. قال : صليت ببيت لحم حيث ولد عيسى المسيح بن مريم صلوات الله عليه.(تهذيب الآثار، القول في البيان في هذه الأخبار من الخبر عن مسرى رسول الله من المسجد الحرام إلى المسجد الاقصى، وعن صلاته فيه بمن ذكر أنه صلى به فيه من الأنبياء، رقم الحديث :٧٣٤، ج: ٥، ص:٤٤٩).

باذوق قارئین یہ جاننا چاہیں گے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی یہ جائے پیدائش (بیت لحم) آج کہاں ہے؟ تو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس جگہ کا مکمل محل وقوع جیوش انسائیکلوپیڈیا کی مدد سے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ قارئین ہی کی سہولت کے لیے اس کا اردو ترجمہ بھی پیش خدمت ہے۔

موجودہ بیت لحم یروشلم سے 5 میل جنوب میں واقع
ہے یہ مشرق میں Habron کی طرف جاتی ہوئی

Baith- laham The modren Bait
Lahm,situated about 5 miles

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نہ صرف یہ کہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس

...... سڑک پر تقریباً 15 منٹ کی پیدل مسافت پر موجود ایک پہاڑی پر زرخیز اور خوبصورت وادیوں سے گھرا ہوا ہے. اس شہر کو Epharatah بھی کہا جاتا ہے. بیت لحم میں Idyl of Ruth کا منظر پیش آیا تھا جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وجہ سے تھا. حضرت داؤد علیہ السلام کا خاندان بیت لحم میں رہائش پذیر تھا اور انہی کی بدولت اس چھوٹے سے قصبے کو اتنی غیر متوقع شہرت حاصل ہوئی (تورات میں) SAM11 کی علامتی کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اس آبائی قصبے سے کس حد تک لگاؤ رکھتے تھے. لیکن وہ زیادہ عرصہ تک وہاں نہیں رہے. اور انہوں نے بیت لحم چھوڑ کر ایک بڑے دارالحکومت کا انتخاب کیا. تورات کے قدیم نسخے سے اس قصبے کے متعلق مزید معلومات حاصل نہیں ہوئیں. لیکن اس مقام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کی حیثیت سے دنیا بھر میں ایک تاریخی مقام کی حیثیت حاصل ہے اور اسی وجہ سے آج بھی بہت سے پاکیزہ زائرین اس مقام کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرتے ہیں.

......south of jerusalem, some 15 minutes' walk east of the road to Hebron, on a range of hills surrounded by fertlie and beautiful valleys. The city was also called "Ephratah". Beth-lehem is also the seene of the idyl of Ruth. It was through David, whose family lived at Beth-lehem, that the little country town achieved an unexpected fame. The characteristic story told in ii Sam. shows how much David was attached to his native city. But he did not remain there. He chose a larger capital, Nothing further is found in the old Testament. But it became of world-historic importance as the traditional birthplace of jesus, and as such is still the goal o pious pilgrimages. As early as the second century astablein one of the grottos close by the town was pointed out as the birthplace of Jesus. Constantine built a splended basilica in Beth-lehem, substantially the same ......

کے درمیان رُکے ہیں بلکہ تین مرتبہ رُکے ہیں اور نماز بھی ادا فرمائی ہے. یہ روایت حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام دعوؤں کو نہ صرف یہ کہ باطل قرار دیتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اہل علم کو ان مزعومہ دعوؤں سے اتفاق نہیں ہے.

...... دوسری صدی کے آغاز میں اس قصبے کے نزدیک ہی غار میں ایک اصطبل کی نشاندہی کی گئی جسے حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش قرار دیا گیا. (قیصر روم) Constantine نے بیت لحم میں ایک نہایت شاندار گرجا گھر تعمیر کروایا جس کی آج بھی دیکھنے والے سیاح اور مسافر تعریف کرتے ہیں. اس گرجا گھر کے نیچے ایک غار کی جگہ ہے جسے حضرت عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش مانا جاتا ہے. Jerome (انجیل کے ایک مترجم) جب انجیل کا ترجمہ کررہا تھا تو اس نے قریب ہی ایک اور غار میں پناہ اختیار کی تھی. صلیبی جنگوں کے دوران بیت لحم کو مسلمانوں کی دست برد کی وجہ سے کافی نقصان اٹھانا پڑا ور آج یہ ایک پھلتا پھولتا قصبہ ہے جہاں صرف عیسائی بستے ہیں.

(یاد رہے کہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بیت لحم کے متعلق جو تحریر ہے ہم نے اس کا بہت ہی مختصر خلاصہ یہاں بیان کیا ہے اس لیے اگر کوئی صاحب حوالہ دینا چاہیں تو بجائے اس حوالے کو استعمال کرنے کے اصل انسائیکلوپیڈیا کی طرف رجوع کریں — الندوہ)

...... churchwhich is still admired by modern travelers. Below the church is the grotto regarded as the birthplace of Jesus. jerome occupied a grotto near by when translating the Bible. During the Crusades Beth- lehem suffered greatly from Mohammaedan violence.To-day it is a flourishing town, inhabited only by Chirstians.

(THE JEWISH ENCYCLOPEDIA, BETH-LEHEM-JUDAH,VOLUME:3, Page.No:121)

(It should be remember that the script in Jewish Encyclopidia about Baith-lehem has been briefly summarised over here. That is why any one intrested in referring to it should consult the real Encyclopedia— Al-Nadwa).

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ صرف اس ایک حدیث پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس روایت کے فوراً بعد نئی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں جس میں الفاظ کچھ مختلف ہیں (رقم الحدیث: ۳۵۷) لیکن مندرجہ ذیل تین مقامات پر آپ کے اُترنے اور نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔[1]

① مدینہ منورہ، اور نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کو بتایا کہ یہ مدینہ طیبہ ہے اور آپ ہجرت کر کے یہیں تشریف لائیں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر جو اشکال پیش کر کے مدینہ طیبہ میں اُترنے اور نماز پڑھنے کی روایات کو رد کیا ہے، وہ اشکال کتنا کمزور ہے. فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس بنا پر نا قابل تسلیم ہے کہ مدینہ طیبہ میں جہاں آج مسجد نبوی ہے وہاں اُس وقت مشرکین کا قبرستان تھا، یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے مشرکین کے قبرستان میں نماز پڑھی ہو۔

کوئی عرض کرے کہ جناب والا یہ کس نے کہا ہے کہ آپ نے نماز بعینہ اسی جگہ پر ادا فرمائی تھی جہاں مشرکین کا قبرستان تھا، اور جہاں آج مسجد نبوی ہے؟ روایات میں تو صرف اتنا آیا ہے. ”آپ مدینہ طیبہ اُترے اور نماز ادا فرمائی“ بات پورے شہر کی ہو رہی ہے اور اُترنے اور نماز پڑھنے کی ہو رہی ہے، جیسا کہ جبریل امین نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اسی شہر میں ہجرت کر کے آئیں گے (والیہا المہاجر) کسی خاص مقام کا تو ذکر ہی نہیں ہو رہا. آپ کا تو دعویٰ یہ ہے کہ کہیں بھی نہ رُکے اور نہ نماز ادا فرمائی یہ روایات اسی دعوے کو باطل قرار دے رہی ہیں اور تصریح کر رہی ہیں کہ آپ تین مقامات

---

[1] عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ قال: أتيت بدابة فوق الحمار ودون البغل خطو تها عند منتهي طرفها، فركبت ومعي جبريل، فسارت، وقال: انزل فصل. فنزلت فصليت، فقال: أتدري أين صليت؟ صليت بطيبة و إليها المهاجر إن شاء الله. ثم قال: انزل فصل. قال: فنزلت فصليت، فقال: أتدري أين صليت؟ صليت بطور سيناء حيث كلم الله موسى، ثم قال: انزل فصل. فصليت، فقال: أتدري أين صليت؟ صليت ببيت لحم حيث ولد عيسى. (ايضاً، ص: ٤٥٢).

پڑے کے بھی تھے اور نماز بھی ادا فرمائی تھی.

پھر بھلا کوئی سوچے کہ یہ اتنا عظیم الشان سفر اذن الٰہی کے بغیر انجام پذیر ہو سکتا تھا؟ حضرت جبریل امین آپ کو اشارہ کر کے اُتارتے اور جگہ بتانے والے تھے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کفر وشرک کی بیخ کنی کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے تو کیا اللہ تعالیٰ آپ کو مشرکین کے قبرستان میں نماز پڑھنے کے لیے اجازت دے سکتے تھے؟ کیا جبریل امین اشارہ بھی کر سکتے تھے کہ یہاں قبروں کے درمیان نفل ادا فرمالیں اور کیا آپ کی اپنی فطرت سلیمہ وطیبہ یہ بات گوارہ کر لیتی. اس لیے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جب ان روایات کو نقلاً رد نہیں فرما سکے تو ایک ایسا کمزور عقلی اشکال تحریر فرما کر گزر گئے جسے علم حدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی پڑھ لے، تو تسلیم نہ کرے.

② طور سینا، آپ یہاں بھی اُترے، نماز ادا فرمائی اور جبریل امین نے عرض کیا کہ یہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو رب العلمین سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تھا۔[1]

---

[1] اللہ تعالیٰ نے اس مقام اور درخت کا ذکر قرآن حکیم میں بھی فرمایا ہے. چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ.

سو جب وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اس آگ کے پاس پہنچے تو اُنہیں اس میدان کی دائیں جانب سے، اس مبارک مقام پر، ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ، تمام جہانوں کا پالنے والا

اس مبارک مقام کا، درخت اور واقعے کا ذکر تورات میں ان الفاظ میں ہے.

۲. اور خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اُس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) پر ظاہر ہوا. اُس (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے پر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوتی.

2. And the angel of the Lord appeared unto him in a flame of fire out of the midst of a bush: and he looked and, behold, the bush burned with fire, and the bush was not consumed.

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر اُس مقام میں خصوصیت کون سی تھی کہ آپ کو یہاں اُتارا گیا اور نماز پڑھنے

۳. تب (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اُس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ جھاڑی کیوں نہیں جلتی؟o

3.And Moses said, I will now turn aside and see this great sight, why the bush is not burnt?

۴. جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آرہا ہے تو خدا نے اُسے جھاڑی کے اندر سے پکارا اور کہا اے موسیٰ! اے موسیٰ! تو اُس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا میں یہاں ہوں o

4.And when the Lord saw that he turned aside to see, God called unto him out of the midst of the bush, and said, Moses, Moses. And he said, Here am I.

۵. تب اُس (خداوند) نے کہا (اے موسیٰ) ادھر (میرے) پاس مت آ. (اور اے موسیٰ) اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ جس جگہ میں تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے o

5.And he said, Draw not nigh hither: put off thy shoes from off thy feet, for the place where on thou standest is holy ground.

۶. پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابراہیم (علیہ السلام) کا خدا، اسحاق (علیہ السلام) کا خدا اور یعقوب (علیہ السلام) کا خدا ہوں. موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا o
(کتاب مقدس، خروج، از ۲ تا ۶)

6.Moreover he said, I am the God of thy father, the God of Abraham, the God of Isaac, and the God of Jacob. And Moses hid his face; for he was afraid to look upon God. (The Holy Bible-Exodus,2-6)

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب مدین سے واپس مصر تشریف لے جا رہے تھے تو وادیٔ طویٰ میں یہ واقعہ پیش آیا. یہ وادی جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے. اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مقام کی نشاندہی بھی فرمادی ہے. چنانچہ سورۂ طہ میں ارشاد فرمایا:

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾
(پ:۱۶، سورۃ طہ، آیت:۱۲-۱۱)

پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو. بے شک تم ایک پاک میدان یعنی "طویٰ" میں ہو.

کا حکم دیا گیا؟ سوائے اِس کے کہ آپ کے مبارک اور متبرک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ

اسلامک لٹریچر (Islamic Litrature) میں عام طور پر اس واقعہ کو "طور"، "کوہ طور" یا وادیٔ سینا کے عنوان سے تحریر کیا جاتا ہے، جہاں سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی اور عطائے مقام نبوت کے عظیم واقعات پیش آئے تھے جب کہ کرسچن اور جیوش لٹریچر (Chrisrian and Jewish Litrature) میں اس واقعے کو "جلتی جھاڑی" (Burning bush) کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے.

اس واقعے کے متعلق قرآن حکیم اور بائبل دونوں کی تصریحات آپ نے ملاحظہ فرمالیں قرآن حکیم کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں پائے جانے والی غلطیوں اور تحریفات کی اصلاح بھی کرتا ہے. اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے "مھیمن" فرمایا ہے. (ملاحظہ ہو، پ: ۶، سورۃ المائدہ، آیت: ۴۸) جس کے لغوی معنیٰ "حفاظت اور نگرانی کرنے والا" کے آتے ہیں. یعنی پچھلی کتابوں میں جو تحریف وتصحیف ہوئی ہے، قرآن ان سب کے لیے صحت وصداقت کا معیار ہے. اس لیے یہاں بھی قرآن، بائبل میں "جلتی جھاڑی" (Burning bush) کے عنوان کے تحت جو غلطیاں ہیں، ان کی اصلاح کرتا ہے. بائبل کی پہلی غلطی اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ

بائبل یہ بتاتی ہے کہ جس چیز سے یہ آواز آرہی تھی وہ ایک خاردار جھاڑی (Burning bush) تھی، قرآن حکیم، اس کی اصلاح کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وہ ایک درخت تھا.

بائبل کی دوسری غلطی اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ بائبل (آیت: ۲) یہ بتاتی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں یہاں پر ایک فرشتہ حاضر ہوا تھا اور قرآن حکیم یہ بتاتا ہے کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی فرشتے کا کوئی ذکر نہیں اور پھر خود بائبل بھی صرف اپنی دو آیات کے بعد (آیت: ۴) میں یہی بتاتی ہے کہ یہاں پر سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا اعزاز بخشا گیا تھا اس لیے بائبل کے جتنے بھی یہودی شارحین یہاں پر حضرت میکائیل علیہ السلام جیسے معزز ومکرم فرشتے کی موجودگی کا بغیر دلیل کے محض قیاس کی بنیاد پر ذکر کرتے ہیں، قرآن حکیم ان سب کا خاموشی سے رد کر کے یہ بتاتا ہے کہ وہاں پر کوئی فرشتہ نہ تھا بلکہ وہ تو انوار وتجلیات تھیں، جنھیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام "نار" سمجھے تھے کہ کبھی صاحب کشف خود اپنے کشف کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے.

اِس مبارک مقام کی برکتیں آپ کو بھی نصیب ہوں. اِس لیے ہمارے نزدیک تو یہ احادیث درست بھی

یہاں پر ضمناً یہ بیان کرنا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ جب بائبل میں تحریف ہوئی تو یہودی علماء نے یہاں پر فرشتے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت میکائیل علیہ السلام ہی کا نام کیوں درج کیا؟ کسی اور فرشتے کا نام کیوں نہیں آیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے تمام تعلقات کا محور و مرکز حضرت میکائیل علیہ السلام ہی کو مان رکھا تھا اور وہ اُنھیں ہی اپنا محافظ سمجھتے تھے. اسی لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں بھی جب اُنہوں نے وحی لانے والے فرشتے کا نام دریافت کیا اور اُنھیں جب یہ جواب ملا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں تو یہودیوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ تو ہمارے دشمن ہیں البتہ حضرت میکائیل السلام ہمارے دوست ہیں اگر وہ وحی لا رہے ہوتے تو پھر آپ پر ایمان لانے کا سوچا جا سکتا تھا (ملاحظہ ہو پ:۱، سورۃ البقرہ، آیت، ۹۸_۹۶)

سو بائبل کی دوسری غلطی یہ ہے کہ خود اُس میں بھی ایک فرشتے کا ذکر ہے اور پھر بائبل کے بعض شارحین بھی وہاں پر فرشتے کی موجودگی بیان کرتے ہیں اور قرآن کریم صرف انوار و تجلیات کا تذکرہ کرتا ہے.

لطف کی بات یہ ہے کہ بائبل کی ان غلطیوں کا تذکرہ بعد میں آنے والے خود یہودی علماء نے بھی کیا ہے چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے.

Ex-2 دو جگہ پر اس بات میں تضاد پایا جاتا ہے کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی خدمت میں فرشتہ حاضر ہوا تھا جب کہ 4 میں یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خار دار جھاڑی (Burning bush) سے باہر آ کر حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا. Midrash کی طرف سے اس تضاد کا جواب مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے. ایک رائے کے مطابق پہلے ایک فرشتے کا ظہور ہوا اور اس کے بعد Shekinah کا جبکہ

It is said that angle appeared to Moses in the Burning bush, and verse 4,where it is stated that God spoke to Moses out of the bush,is ansewerdin various ways by the Midrash. According to one opinion, an angle appeared first and after him the Shekinah;while acco -

ہیں اور اِن کی حکمتیں بھی سمجھ میں آتی ہیں۔لیکن چونکہ شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے متبعین ایک

rding to others the appearance of the angle mer-ely indicated to Moses that the Shekinah was near, and this angle was Micheal(or,as some say, Gabri el),the constant att-endant of the Shekinah. When Moses beheld this heavenly apparition other person were with him,who did not .... Acc-ording to Joshua be Karha ....God revealed Himself to Moses for the first time in a thorn-bush to prove to him that "nothing"-not even such an insignificant plant as the thornbush-"is void of the Shikinah." The thorn-bush itself receives various symbolic interpretations. Thus, as this shrub is among the

دوسرے شارحین کے مطابق فرشتے کا ظاہر ہونا (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے محض اس بات کی نشاندہی تھی کہ Shekinah کہیں قریب ہی موجود تھا.اور یہ فرشتے حضرت میکائیلؑ تھے (یا پھر بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت جبریل تھے) جو کہ Shekinah کے مستقل ساتھی تھے. جب موسیٰ نے یہ معجزہ دیکھا تو اس وقت باقی لوگ بھی ان کے ساتھ تھے مگر انہیں ایسا کچھ بھی محسوس نہیں ہوا.Josh B Karha کے مطابق خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو موسیٰ پر ان کانٹے دار جھاڑیوں میں ظاہر کیا تا کہ وہ انہیں یہ بتائے کہ کائنات میں کچھ بھی حتیٰ کہ یہ کانٹوں والا غیر ضروری پودا بھی خدا کی ذات سے محروم نہیں ہے. یہ کانٹے دار جھاڑی بذاتِ خود بہت سی باتوں کی علامت ہے. یہ پودا تمام پودوں میں کم تر ہے، اِس لیے بنی اسرائیل کو بھی مصر میں انتہائی کم درجہ اور بغیر عزت کا، مقام حاصل ہوگا. یہ کانٹے دار جھاڑی کھیتوں کے گرد باڑ کی حیثیت سے استعمال کی جاتی ہے چنانچہ اسرائیل دوسری قوموں کے لیے

غلط رائے پر اڑ گئے تھے کہ اماکن ومواضع میں تقدس نہیں ہوتا، اِس لیے ایسی تمام احادیث جن سے یہ

ایک حفاظتی باڑ ہے۔خاردار جھاڑی (Burning bush) کی جلتی ہوئی آگ سے حضرت موسیٰ کو یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مصریوں کی جانب سے دیئے جانے والے تمام زخم، تکالیف اور دکھ، کامیابی سے برداشت کریں گے۔

least of the plants so Israel occupied a lowly and despised position in Egypt. As the thorn-bush is used for a hedge, so Israel is fence and protection for the other nations. The burning but not consuming fire of the bush indicated to Moses that Israel would successfully endure all the sorrows and pain inflicated upon it by the Egyptians.

(THE JEWISH ENCYCLOPEDIA, Burning bush,volume:3,Page:439)

آپ غور فرمالیجیے کہ بائبل کے تضاد کی نشاندہی خود جیوش انسائیکلو پیڈیا کے فاضل مصنفین بھی کرر ہے ہیں کہ اس کی آیت نمبر(۲) میں فرشتے کا ذکر ہے اور آیت نمبر (۴) میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

Josh کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو کانٹے دار جھاڑی میں ظاہر کیا اور پھر کانٹے دار جھاڑی (Burning bush) میں اپنے آپ کو ظاہر کرنے میں کیا حکمتیں تھیں، یہودیوں کے کیا فرائض اور فضائل تھے اور مصریوں نے کیسا ظلم کرنا تھا، یہ سارا فلسفہ اس بنیاد پر ہے کہ وہاں پر جھاڑی تھی اور کانٹے دار تھی۔قرآن حکیم نے صرف ایک لفظ ''شجرہ'' کہہ کر اس سارے فلسفے اور عمارت کو مسمار کر دیا کہ وہاں تو درخت تھا، خاردار جھاڑی تو تھی ہی نہیں۔

اس عبارت میں ایک اور لفظ شکینہ(Shekinah) بہت اہم اور قابل غور ہے۔اہل علم میں جن حضرات کی نظر

بات ثابت ہوتی تھی، ان کی کوئی مناسب توجیہ نہ کر سکے تو اِن کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ

یہودیت کے علم کلام پر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جس عقیدے نے یہودیوں کو توحید سے محروم اور کفر میں داخل کیا وہ ان کا عقیدۂ تجسیم تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح کا ایک جسم رکھتا ہے۔ (معاذاللہ) ان کے ابتدائی دور میں ان کا عقیدۂ توحید بھی وہی تھا، جو تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو تلقین فرمایا کرتے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ یہودی باری تعالیٰ کی تجسیم کے قائل ہوئے۔ پھر اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی تصاویر بنائی گئیں پھر پتھر تراشے گئے اور رفتہ رفتہ یہ کفر اتنا بڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس خرابی اور تجسیم کے کفریہ عقیدے کے ردّ کے لیے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ یہودی کیسے اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کے قائل تھے؟ ایسے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانوں جیسے اعضاء اور جوارح کو مانتے تھے (معاذ اللہ) ۔اور اسی لیے وہ اپنے اس دور جاہلیت سے لے کر اب تک اللہ تعالیٰ کی تصاویر بناتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شکل کیا ہے؟ شخکینہ (Shekinah) کا مطلب "اللہ تعالیٰ کا نزول باجلال"، تو بائبل کے محولہ بالا حصے کا مطلب یہ ہے کہ اس خاردار جھاڑی (Burning bush) میں فرشتے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ بھی اپنے جسم کے ساتھ موجود تھا۔ تعالیٰ اللّٰہ عن ذلك علوا کبیرا.

اُمتوں میں تجسیم باری تعالیٰ کا یہ مرض بہت کہنہ ہے۔ خود اس اُمت میں اموی اور عباسی خلفاء کے دور میں جو فرقہ "مجسمہ" پیدا ہوا تھا وہ بھی اسی گمراہی میں مبتلا تھا اور چوتھی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی ہجری تک کے بعض آئمہ حنابلہ جو اپنے عقیدے میں تجسیم الٰہی کے قائل ہوئے تھے، اُنہیں بھی یہی مرض تھا اور پھر ان بعض حنبلیوں میں یہ گمراہی اتنی بڑھی کہ خود ایک حنبلی عالم علامہ ابن جوزی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کو باقاعدہ ایک کتاب "دفع شبهه التشبهیه" لکھنی پڑی، اس لیے اُمت مسلمہ بھی اس مرض سے محفوظ نہیں رہی اور ان کے ہاں بھی تجسیم باری تعالیٰ کے وہی گمراہ کن نظریات تھے، جو یہودیوں کے ہاں اُن کے اپنے دور میں تھے۔ یہودیوں کے ہاں اِس گمراہی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا اور اس اُمت میں ختم نبوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ماتریدی اور اشعری علماء کرام رحمہم اللہ کو یہ توفیق بخشی کہ وہ ان مجسمہ کا بھرپور ردّ کریں اور ڈنکے کی چوٹ پر اللہ تعالیٰ کا جسم سے پاک ہونا، اُس ذاتِ محتشم کا تشبیہ و تجسیم سے پاک ہونا اور "لیس کمثلہ شیء" (کائنات میں کوئی چیز بھی اُس جیسی نہیں ہے)

ان روایات کا مسلسل انکار کرتے چلے جائیں لیکن کیا اُن کے انکار اور ایک غلط نظریے پہ اصرار سے ان احادیث کا پایہ ساقط ہو جائے گا؟

③ بیت لحم، آپ یہاں بھی اُترے اور نماز ادا فرمائی اور جبریل امین نے عرض کیا کہ یہ ہے وہ مقام

کا بار بار اعلان کریں۔ تا کہ تجسیم، تشبیہ، بت تراشی اور اللہ تعالیٰ کی تصاویر بنانے کے کفر اور شرک کی جڑ دنیا سے اکھڑ جائے۔ دنیا میں اب جو تصاویر کے فتنے کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے، در حقیقت اس کی جڑیں یہودی مذہب ہی سے پھوٹی ہیں۔ ان کے اصل دین میں جو تحریف ہوئی تو انہیں یہ سکھایا گیا کہ ہر چیز کی تصویر بنائی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تصویر بھی بنائی گئی جو کہ اب بھی مختلف انسائیکلو پیڈیاز میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اور زیر بحث موضوع خار دار جھاڑی (Burning bush) کی تصویر بھی بنائی گئی۔ جس کا عکس یہ ہے:

Artist's concept of the Burning Bush.

اب یہ اُس خار دار جھاڑی (Burning bush) کی ایک فرضی تصویر بنائی گئی ہے، جس میں یہودی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے جسم کے ساتھ میکائیل فرشتے کو لے کر آیا تھا۔

جہاں سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے تھے.سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کیوں اُتارا

اسی ضمن میں اب ایک اور تصویر کا عکس ملاحظہ کیجیے جس میں یہودیوں نے یہ دکھایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خار دار جھاڑی (Burning bush) کے پاس اپنے جانوروں کے ساتھ ہاتھ میں عصا لیے کھڑے ہیں.
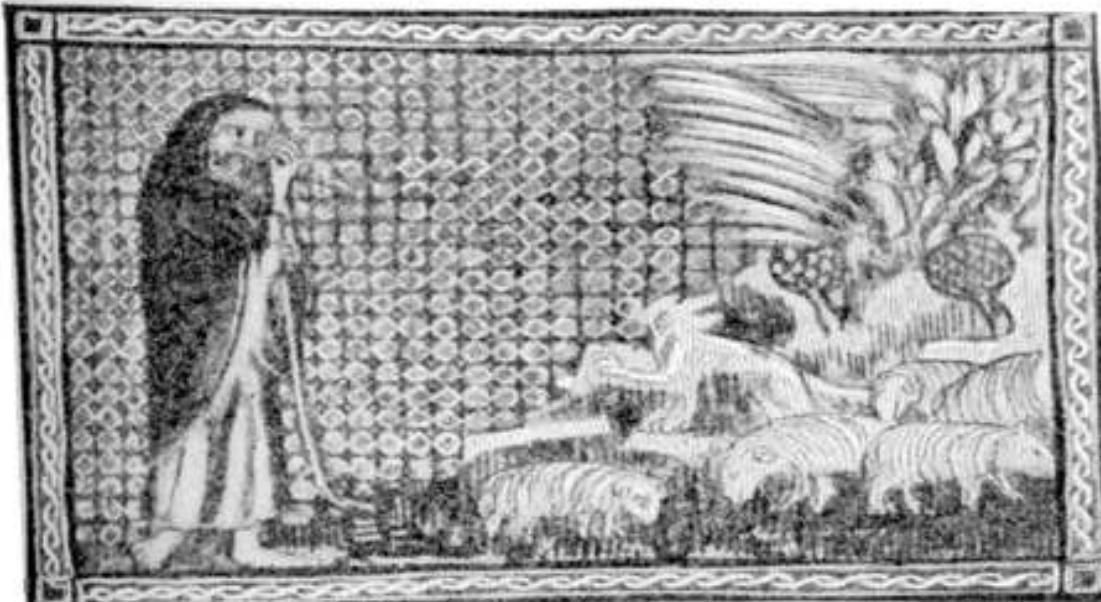
"Moses at the Burning Bush."
(From the Sarajevo Haggadah, 14th century.)

نقل کفر، کفر نباشد یہودیوں نے یہودیت پر جتنا بھی مستند لٹریچر تحریر کیا ہے، اس میں یہ تصویر باآسانی آپ کو مل جائے گی. عجلت پسند طبیعتیں ہمارے اس فعل کو ''کفریہ حرکت'' قرار دینے کا فتویٰ جڑنے سے پہلے یہ پڑھ لیں کہ ہم نے اس تصویر کا محض عکس یہودیوں کی کتابوں سے منتقل کیا ہے اور اس کو نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی جدید نسل، بشمول ہمارے ان سطحی علماء کے جنہوں نے مطالعہ بالکل چھوڑ دیا ہے اور جو یہودیت کے ماضی اور مستقبل میں ان کے عزائم سے بالکل بے خبر ہیں، انھیں آگاہ کیا جائے کہ یہودیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے اور وہ اس طرح بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی توہین کرتے ہیں چونکہ اُن کے نزدیک کسی پیغمبر علیہ السلام کی تصویر یا خاکہ بنانے سے کوئی توہین لازم نہیں آتی، اس لیے انہوں نے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تصویر دی ہے.اور پھر جو قوم اللہ تعالیٰ کی تصویر بنا سکتی ہے اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنانا کیا مسئلہ ہے؟

گیا؟ اپنا موقف تو بہت واضح ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کو وہاں کی برکات کا مشاہدہ اور اُن

مسلمانوں کی نئی نسل کو سمجھنا چاہیے کہ:

(1) اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کو ثابت کرنا، اس ذات عالی جل جلالہ کے لیے مخلوق کی طرح کے اعضاء کا ماننا اور اس بڑی عظیم ذات، ذوالجلال والاکرام کو زمان ومکان کی حدود میں مقید ماننا، یہ سب کچھ یہودیوں کے گمراہ کن نظریات تھے، جو بعدازاں ان سے مسلمانوں میں منتقل ہوئے اور ہر دور میں ماتریدی اور اشعری علماء کرام رحمہم اللہ ان کا ردّ کرتے رہے ہیں اور ان نظریات کے حاملین کو گمراہ قرار دیتے رہے ہیں. آج پھر اُمت میں اس طرح کی باتیں اُن نادانوں نے شروع کردی ہیں، جو اپنے آپ کو اسلاف سے منسوب کرتے ہیں. آگاہ رہیے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، استواء علی العرش اور زمان ومکان کی حدود وقیود کے بارے میں وہی عقیدہ رکھیے جو امت میں ماتریدی اور اشعری علماء حققدمین نور اللہ قبورہم، کا رہا ہے.

(2) دنیا میں تصاویر کے ذریعے جو جرائم پھیل رہے ہیں، ان کی اصل یہودی عقائد اور دین ہے. تصاویر کو اور ان سے پھیلنے والے فتنوں کو دنیا میں عام کرنے والے یہودی ہیں. تصویر کشی ان کے مذہب کا حصہ ہے. ذرائع ابلاغ اور خاص طور سے الیکٹرانک میڈیا پر تصاویر کے ذریعے جو تہذیب وثقافت پھیلائی جارہی ہے. ہمیں چاہیے کہ اس گندگی میں اپنا حصہ نہ ڈالیں اور اگر حصہ ڈالنے ہی کا شوق ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا جواب دینا ہے، یہ آج ہی سے سوچ لینا چاہیے.

(3) ہماری نوجوان نسل کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہر موقع پر، ضروری ہو یا نہ ہو، تصویر، اسلام کی اشاعت کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ نے تصاویر کے ذریعے اپنے مسلک کی اشاعت کی ہے. خدا کی زمین پر تصاویر کے ذریعے مذہب کو پھیلانے کا گناہ سب سے پہلے مشرکین نے کیا اور بت تراشے. اُن کے بعد یہودیوں نے اس صنعت بت تراشی اور تصویر کشی کو اپنایا اور اس ذریعے سے گمراہ کن عقائد، ناقابل بیان افعال اور اخلاق کو تباہ کردینے والی، اُن تعلیمات کا دنیا میں پرچار کیا جن سے آج خدا کی یہ دھرتی کانپ رہی ہے اور کوئی دن نہیں جاتا کہ نئی سے نئی تصاویر اور ان کے ذریعے سے اس دنیا میں عقیدہ، اعمال، اخلاقیات اور اقتصادیات بری طرح تباہ ہو رہے ہیں.......

سے مشرف فرمانا تھا لیکن شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کیا فرمائیں گے. بس یہی کہ یہ تمام روایات مبنی بر کذب ہیں. حالانکہ ایسے نہیں ہے جیسا کہ مزید ان روایات سے ثابت ہوگا جو کہ آگے چل کر آ رہی ہیں.

کیا حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش پر اتنی برکتیں بھی نہیں، جتنی کہ سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی جائے پیدائش پر تھیں. اس جگہ کا نشان تو مٹانے کی کوشش کی ہی تھی اب نیا طرفہ تماشا یہ ہے کہ تاریخ ہی تبدیل کی جا رہی ہے اور یہ تحریر کیا جا رہا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش کبھی کسی کو معلوم ہی نہیں تھی اور جو اس جگہ آثار نبوی ہم نے مٹائے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ وہاں پر پیدا ہوئے تھے. چنانچہ جناب حمد الجاسر، جو ان کے نزدیک بہت بڑے مورخ ہیں لکھتے ہیں. [1]

...... آپ کسی منصف مزاج انسان سے دریافت کیجیے جس نے بھی قم (ایران) کا سفر کیا ہے، وہاں پر باآسانی حضرات امامین، کریمین، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی تصاویر، ان کے والد ماجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی تصویر حتیٰ کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تصاویر، غار حرا میں ان کا منتظر وحی ہونا اور جبریل امین علیہ السلام کی آمد کی تصاویر سب کچھ، باآسانی بازاروں میں اور مزارات مقدسہ پر دستیاب ہے. ان تصاویر کے ذریعے خدا معلوم ان لوگوں کو کیا پیغام دینا ہے اور یہ دین کی کون سی خدمت ہے؟ اس فعل شنیع وقبیح کی ایک ہلکی سی جھلک خود اپنے وطن میں آپ نے دیکھنی ہو تو لاہور، پاک پتن اور ملتان میں حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کے مزارات پر ملاحظہ فرمالیجیے. حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بختیار الدین کعکی، حضرت فرید الدین مسعود شکر گنج رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کی تصاویر اور ان کی سجی ہوئی محافل کی تصاویر عام مل جائیں گی. یہ محض جہالت بھی ہے اور شرک وبدعت کی ترویج کا ایک ذریعہ بھی. ان تصاویر سے نہ تو کوئی اسلام کی کوئی خدمت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ حرکتیں کم سے کم اس دین کا حصہ ہیں، جس دین کو لے کر حضرت رسالت مآب ﷺ اس کائنات میں اور اس کے لیے، مبعوث ہوئے تھے.

[1] مجلة العرب الآثار الاسلامیه في مکة المشرفة، ج:٤، ٣ رمضان وشوال ١٤٠٢ھ.

لايقوم على اساس تاريخي صحيح. حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش صحیح تاریخ سے ثابت نہیں ہے.

اوران کے ایک اور ہم عصر ناصر بن عبدالرحمٰن تو ان سے بھی بڑھ کر ایک اور تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:[1]

في كونه في مكة اوغيرها. حضرت رسالت مآب ﷺ کہاں پیدا ہوئے تھے، مکہ مکرمہ میں یا اس کے علاوہ کہیں اور، تاریخ اس بارے میں کچھ نہیں بتاتی.

یہ ہے تاریخ میں تحریف! کون نہیں جانتا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ مکی تھے؟ اس تحریف کا رڈ لکھنے یا اس کے خلاف کوئی بھی عالم دین اس لیے بولنے یا لکھنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان کے اپنے مفادات وہاں کے علماء اور اہلِ ثروت سے وابستہ ہیں.

کون نہیں جانتا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں جس گھر میں ہوئی تھی وہ اُمت میں ہمیشہ معروف رہا. آپ نے جب مدینہ طیبہ ہجرت کرلی تو وہ آپ کے چچازاد بھائی حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے لے لیا تھا پھر وہ گھر ان کی اولاد در اولاد منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ظالم الامۃ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے اِسے خرید لیا تھا. پھر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب مکہ مکرمہ حاضر ہوئی ہیں تو انہوں نے اس گھر کو خرید لیا اور اس مقام پر مسجد بنادی تھی.

پھر وہ مسجد اور مقام ہر دور میں امت کے لیے ایک متبرک مقام رہے ہیں یہاں تک کہ ۹۳۵ھ میں ترک عثمانی خلیفہ سلطان سلیمٰن خان نے اِس عمارت کو پھر بنوایا. اور پھر گیارھویں صدی کے آغاز میں ترک عثمانی خلیفہ سلطان محمد بن مراد خان نے اِس عمارت میں کئی ایک اضافے کیے اور پھر یہ تعمیر اس دن

---

[1] التبرك، المبحث الثاني، التبرك بالمواضع التي جلس أو صلي فيها، حكم التبرك بمكان ولادة الرسول ﷺ ص:٣٥٦.

تک برقرار رہی جس دن تک موجودہ شاہی خاندان کے آباؤ اجداد نے اِسے منہدم نہیں کیا۔[1]
کیا تاریخ کو مسخ کر کے اب اسے اس طرح تحریر کیا جائے گا کہ وہ کسی فرد یا جماعت کے عقیدے کی دلیل بن جائے؟ آثارِ قدیمہ کی گواہی کسی بھی نظریے کی موافقت کرے یا مخالفت، وہ ایک تاریخی ورثہ اور قومی امانت ہے اور امانت میں خیانت اہل علم کو زیبا نہیں۔

3

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، سفر معراج میں رُکنے اور نماز پڑھنے کی جن روایات کو جھوٹ قرار دے رہے ہیں، ان میں سے دو روایات تو وہ ہیں جو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابھی عنوان (2) میں گذریں۔ اُن میں سے جو روایت حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ (رقم الحدیث: ۷۳۴) کی ہے اس کے ایک راوی اسحٰق بن ابراہیم بن العلاء پر "تہذیب الآثار" کے محقق ابوفہر محمود محمد شاکر نے جرح وتعدیل نقل کی ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم بن العلاء کیسے راوی تھے ان کے بارے میں کچھ تفصیل سے اسی مضمون میں آگے چل کر (ص:42) پر آئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔ کچھ حضرات نے اگر اِن کی تضعیف کی ہے تو اِن کی توثیق کرنے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ تیسری روایت مسند بزار میں آئی[2] ہے۔ اس میں حضرت شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے سفر

---

[1] ان تمام تفصیلات کو جاننے کے لیے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں جو صرف مکہ مکرمہ کی تاریخ پر لکھی گئی ہیں اور خاص طور پر (۱) تاریخ مکة ازابو الولید محمد بن عبد اللّٰہ الازرقی ۲۰۴ھ ذکر المواضع التي يستحب فيها الصلاة لمكة (۲) منائح الكرم لعلي بن تاج الدين البخارى ۱۰۵۷ھ. أخبار مكة وولاتها في زمن الدولة العثمانية ۹۲۳۔۱۰۳۷ھ ملاحظہ ہوں۔

[2] حدثنا شدّاد بن أوس قال قلنا: يا رسول الله، كيف أسري بك ليلة أسري بك؟ قال: صليت لأصحابي صلاة العتمة بمكة معتماً، فأتاني جبريل بدابة بيضاء فوق الحمار ودون البغل، فقال: ......

معراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے، تین مقامات پر آپ کے ٹھہرنے اور نماز ادا فرمانے کا ذکر کیا ہے.

① یثرب (مدینہ منورہ)

② شجرۂ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام

③ بیت لحم، جائے پیدائش حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام.

چوتھی روایت امام ابو عبد الرحمٰن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جسے وہ اپنی کتاب سنن النسائی کی کتاب الصلاۃ کے اوائل میں لائے ہیں.[1] یہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے اور اس

...... ارکب. فاستصعبت علی فأدارها بأذنها، حتي حملتني عليها، فانطلقت تهوي بنا، تضع حافرها حيث أدرك طرفها، حتي انتهينا إلى أرض ذات نخل، فقال : انزل .فنزلت، ثم قال : صل. فصليت، ثم ركبنا فقال : لي أتدري أين صليت؟ قلت : الله أعلم. قال : صليت بيثرب، صليت بطيبة، ثم انطلقت تهوي[بنا] يقع حافرها حيث أدرك طرفها حتي بلغنا أرضاً بيضاء، فقال : انزل. فنزلت، ثم قال : صل. فصليت، ثم ركبنا فقال : تدري أين صليت؟ قلت الله أعلم. قال : صليت بمدين، صليت عند شجرة موسىﷺ. ثم انطلقت تهوي بنا تضع أو يقع حافرها حيث أدرك طرفها، ثم ارتفعنا فقال : انزل. فنزلت، فقال : صل. فصليت ثم ركبنا فقال لي : أتدري أين صليت؟ قلت الله أعلم. قال : صليت ببيت لحم حيث ولد المسيح عيسىٰ بن مريم.(البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مسند شداد بن أوس رضي الله عنه، رقم الحديث: ٣٤٨٤، ج : ٨، ص:٤٠٩ـ٤١٠).

[1] قال حدثنا يزيد بن أبي مالك قال حدثنا أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أتيت بدابة الخ، فركبت ومعي جبريل عليه السلام فسرت فقال انزل فصل ففعلت فقال أتدري أين صليت، صليت بطيبة وإليها المهاجر، ثم قال انزل فصل فصليت فقال : أتدري أين صليت، صليت بطور ......

میں بھی انہی تین مقامات پر اُتر کر نماز پڑھنے کا تذکرہ ملتا ہے.

اس صحیح حدیث سے چونکہ یہ ثبوت واضح طور پر ملتا ہے کہ ان اماکن اور مواضع میں تقدس اور برکات تھیں اس لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کو یہاں پر اُتار کر نماز پڑھوائی گئی اس لیے ان حضرات نے اس حدیث کا ہی انکار کر دیا کہ یہ حدیث ہی درست نہیں ہے. علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن نسائی کی وہ روایات جو ان کے نزدیک ضعیف ہیں، ان میں اس روایت کا بھی ذکر کر دیا ہے اور اس حدیث پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ ''منکر'' ہے.[1]

محدثین کی اصطلاح میں ''منکر'' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی روایت بیان کرے جس میں دیگر صحیح روایات سے علیحدہ کوئی بات ہو. لیکن یہ تو ایک عمومی تعریف ہے. مزید آگے بڑھیں تو پھر ''منکر حدیث'' کی بھی تو قسمیں ہیں لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ ''حدیث منکر'' کی کون سی قسم ہے.

ان کا فرض بنتا تھا کہ وہ اِس حدیث کے منکر ہونے کی وجہِ نکارت بھی بیان کرتے اور یہ بھی بتاتے کہ اس حدیث کو ''منکر'' قرار دینا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے یا ان سے پہلے جو محدثین کرام رحمہم اللہ اسی اُمت میں گذرے ہیں انہوں نے بھی اس حدیث کو منکر قرار دیا تھا یا نہیں.

یہ علم کی دنیا ہے جہاں پر بغیر دلائل کے صرف دعوے سے کام نہیں چلتا. اس کوچے میں امام نووی، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم کے دعووں کو بغیر دلیل کے، کوئی سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے تو کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے. اس لیے علامہ ناصر الدین البانی کے اس دعوے کو جناب زہیر الشادیش نے یہ کہہ

...... سيناء حيث كلم الله عز وجل موسىٰ عليه السلام ثم قال انزل فصل فنزلت فصليت فقال: أتدري أين صليت، صليت ببيت لحم حيث ولد عيسى عليه السلام. (كتاب الصلاة، فرض الصلاة وذكر اختلاف الناقلين في إسناد حديث أنس بن مالك رضي الله عنه واختلاف ألفاظهم فيه، رقم الحديث: ٤٥٠، ج:١، ص:٢٢١).

[1] ضعيف سنن النسائي، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ١٤، ص:١٤.

کر رد کر دیا ہے:[1]

شیخ (ناصر البانی رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ واضح نہیں کیا کہ اس حدیث میں نکارت کا سبب کیا ہے اور نہ ہی کوئی حوالہ (مصدراً) دیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے اس حدیث پر یہ حکم لگایا ہے. عمومی طور پر جو باتیں اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں وہ (دیگر) صحیح احادیث سے ثابت ہیں. اور اس حدیث کے منکر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے.

چند برس گذرے ہیں کہ نسائی کی ایک شرح "ذخیرہ العقبیٰ" کے نام سے دار الحدیث الخیریہ مکہ مکرمہ کے ایک محدث جناب محمد بن علی بن ادم الاتیوبي صاحب نے تحریر فرمائی ہے. اسے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق بھی علماء نجد ہی سے تھا اور وہ علمِ کلام اور دیگر فقہی مباحث میں بھی وہی مسلک رکھتے ہیں جو آج کل عام طور پر وہاں کے علماء کا ہے، لیکن اس حدیث کی شرح میں انہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے.[2]

حديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه هذا، من رواية يزيد بن ابي مالك عنه، صحيح.	حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت جس میں یزید بن ابی مالک ان سے روایت کر رہے ہیں صحیح ہے.

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس شرح پر مسجد حرام، مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً کے دو مشہور آئمہ اور خطباء شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل اور شیخ صالح بن عبد اللہ بن حمید کے علاوہ وہاں کے بہت بڑے محدث اور جن کا علماء حرم میں ایک خاص مقام ہے، شیخ مقبل بن ہادی الوادعی، سبھی کی تصدیقات اور اس شرح کی بے پناہ

---

[1] لم يبين الشيخ سبب النكارة فى الحديث، ولم يذكر مصداً يرجع إليه، وأن عامة مافيه ورد من طرق صحيحة لانكارة فيها ، حاشية ضعيف سنن النسائى، كتاب الصلاة، ص:١٤.

[2] كتاب الصلاة، فرض الصلاة وذكر اختلاف الناقلين، رقم الحديث : ٤٥٠، ج:٦، ص:٤٩.

تعریفات ثبت ہیں.

ان حضرات نے اگر یہ خیر مقدمی عبارات اس شرح کے مطالعے کے بعد تحریر فرمائی ہیں — جیسا کہ ان سے توقع کی جاتی ہے — تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ کی آراء پر نظر ثانی کی ہے. کہاں وہ شوراشوری کہ اماکن ومواضع کی تقدیس کی تمام احادیث جھوٹی ہیں اور کہاں اب یہ بے نمکی کہ وہی حدیث صحیح قرار پائی.

شارح سنن النسائی جناب محمد بن علی بن ادم صاحب نے اگرچہ اپنا مسلک تبدیل نہیں کیا اور اماکن ومواضع کی تقدیس کو تسلیم نہیں کیا (ص: ۴۷) لیکن حدیث کے صحیح ہونے کا انکار بھی نہیں کر سکے اور یہ وجہ بھی نہیں بتا سکے کہ اِن تینوں مقامات پر اُترنے کی اور نماز پڑھنے کی وجہ کیا تھی؟

اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ابی مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جن کا تذکرہ ابھی گذرا ہے، ان کا اصل نام یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک الھمدانی تھا. سنن ابی داؤد، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ کتابوں میں ان کی احادیث موجود ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کا کیا مقام تھا، اس کی تصریح چند سطور کے بعد آجائے گی. ان کا تذکرہ قدرے تفصیل سے اس لیے کیا جا رہا ہے کہ سنن النسائی کی اس روایت کو جہاں حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دینے کی سعی لا حاصل فرمائی ہے. ان سے پہلے ایک اور شخصیت ابوالخطاب ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۲، ۶۶۳) کی بھی تھی — اگرچہ سیرتِ طیبہ پر ان کی تحریرات بہت عمدہ اور ان کی کتابوں کے جو قلمی نسخے دیکھنے کا موقع ملا، ان سے ان کا تبحر علمی بھی معلوم ہوتا ہے لیکن — جب وہ اس حدیث پر آئے ہیں، تو نہ صرف یہ کہ اسے موضوع اور جھوٹ قرار دینے کی سعی کی ہے بلکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں کو مشکوک قرار دیا ہے ان کی تحریر ملاحظہ ہو.[1]

---

[1] الحدیث إلی آخرہ، وھو مشھور من روایة أبي مالك، واسمه غزوان بن یوسف المازني، قال أبوحاتم الرازي: ھو متروك الحدیث .وقال محمد بن حبان: یروی عن الثقات ما لا یشبه حدیث الأثبات ......

یہ (تین مقامات پر اترنے اور نماز پڑھنے کی روایت) ابو مالک کی مشہور روایت ہے. ان کا نام غزوان بن یوسف المازنی بصری تھا اور وہ حسن (بصری) رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں. ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابو مالک کی احادیث قابل قبول نہیں ہیں. امام بخاری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ محدثین نے ابو مالک سے روایت حدیث چھوڑ دی تھی اور محمد بن حِبّان نے فرمایا کہ ابو مالک ثقہ اور قابلِ اعتماد افراد سے وہ روایات بیان کرتے ہیں، جن روایات کا اثبات دیگر ثقہ روایات سے نہیں ہوتا. اس لیے ابو مالک کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا.

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ ابو مالک اس درجے کی غیر محتاط راوی ہیں تو پھر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے حدیث کی روایت کیوں کی؟ ابن دِحیہ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:[1]

اور رہ گئے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تو ان کا حال تو یہ ہے کہ اگرچہ وہ رواۃ کے معاملے میں جرح وتعدیل کو سمجھتے تھے لیکن ان کی کتابوں میں صحیح اور موضوع ہر طرح کی روایات خلط ملط ہوگئی ہیں. انہوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی خصوصیات کا تذکرہ (اپنی ایک کتاب میں) کیا ہے اور بہت شدید غلطی یہ کی ہے کہ جعلی اور گھڑی ہوئی احادیث بیان کی ہیں جیسے کہ یہ روایت " کہ

...... فسقط الاحتجاج بما يرويه. (الابتهاج في احاديث المعراج، فوائد حديث الاسراء، فائدة خامسة عشر، ص:١١٢).

[1] والنسائي رحمه الله و إن كان يعرف التعديل والتجريح يخلط في كتبه الموضوع، والصحيح. وقد ذكر في خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام أحاديث موضوعة وَهَنَابِثُ مفتعلة مصنوعة ؛ منها قوله : أنا مدينة العلم وعلي بابها. (الابتهاج في احاديث المعراج، فوائد حديث الاسراء، فائده خامسة عشر، ص:١١٣).

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''۔

حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں موضوع روایات کا کہہ دینا آسان ہے لیکن انہیں ثابت کرنا کارِ دارد ہے اور حدیث مدینۃ العلم (میں علم کا شہر ہوں) کو جیسے یہ موضوع قرار دے رہے ہیں ایسے ہی ان کے بعد اگرچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے لیکن ان دونوں حضرات کے بعد جو محدثین اُمت میں آئے ہیں انہوں نے اِس بات کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور اس حدیث کا مقام متعین کر کے اس قول کی تغلیط کی۔

اس وقت چونکہ زیر بحث موضوع یہ نہیں ہے اس لیے اس سے صرف نظر کر کے اصل بحث کی طرف آتے ہیں کہ محدث ابن دِحیہ نے بھی ان تین مقامات پر اُترنے اور نماز پڑھنے والی حدیث کو یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ اس میں ایک راوی ابو مالک غزوان بن یوسف قابل اعتماد نہیں۔

ابن دِحیہ کے حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں حدّت غالب تھی۔ گرم مزاج کے لوگ جن کی عقل پر ان کے غصے کا غلبہ ہوتا ہے، چونکہ ٹھنڈے مزاج کے نہیں ہوتے اس لیے ان سے ایسی غلطیوں کا زیادہ صادر ہو جانا، چنداں مستبعد نہیں۔ اعتدال کے ساتھ ٹھنڈا مزاج ہو تو تحریر و تقریر میں غلطیوں کو جگہ کم ملتی ہے اور ایسے مقرر اور محقق کو اپنی تحریر و تقریر سے رجوع بھی کم کرنا پڑتا ہے اور ان کے بعد آنے والے مقررین اور محققین کو ان پر اعتماد میں سہولت اور ان پر تنقید بہت سوچ سمجھ کر کرنا پڑتی ہے۔ جبکہ وہ مقرر اور محقق جن کے مزاج پر حدّت غالب ہوتی ہے ان کی تقریر و تحریر میں غصے اور جلد بازی کی وجہ سے غلطیاں بھی زیادہ جگہ پاتی ہیں۔ اُنہیں رجوع بھی بار بار کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے بعد غلطیوں کا اتنا انبار لگا جاتے ہیں کہ ان کی غلطیوں پر میدان علم کا بچہ بھی ہنس دیتا ہے۔ کسی محقق کے لیے معتدل مزاج ہونا اور افراطِ غضب سے دور رہنا ایک بہت بڑا انعام خداوندی ہے۔

ابن دِحیہ سے بھی یہاں ایسی ہی غلطی سرزد ہو گئی اور وہ یہ تمیز نہیں کر سکے کہ جس ابو مالک راوی حدیث کو وہ متہم کر رہے ہیں اور اسے متروک قرار دے رہے ہیں، یہ وہ راوی نہیں ہے، جس کی روایت امام نسائی

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں لی ہے. اس لیے اس حدیث پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہ جاتا. جس راوی ابو مالک کا نام وہ غزوان بن یوسف المازنی بتا کر اس پر برس رہے ہیں ان کی کوئی روایت صحاح ستہ میں غالباً اور سنن نسائی میں یقیناً ہے ہی نہیں. اس لیے وہ بنا ہی باقی نہیں رہتی جس بنا پر انہوں نے اس حدیث کے جھوٹ ہونے کا عندیہ دیا ہے. اسی لیے اس کتاب "الابتھاج" کے محشی ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب — جو کہ مکہ مکرمہ میں جامعہ ام القری اور مصر قاہرہ میں علم حدیث کے بڑے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں — نے اسی بحث کے حاشیے میں لکھا ہے:[1]

"اس حدیث کو موضوع اور جھوٹ قرار دینا جیسا کہ مصنف (ابن دِحیہ) کی تحریر سے مترشح ہے، بہت بڑا ظلم ہے. یہ ان کی غلطی اور وہم ہے".

وہم یہ ہوا کہ ایک ہی کنیت ابو مالک کے دو راوی تھے انہوں نے ابو مالک یزید بن عبدالرحمٰن کی بجائے ابو مالک غزوان بن یوسف مازنی کو سمجھ لیا اور حدیث کو جھوٹ قرار دے دیا. اللہ تعالیٰ ان کی اس نادانستہ غلطی سے درگذر فرمائے.

اس موقع پر ایک لطیفہ تحریر کرنا غالباً نامناسب نہ ہوگا. دیکھیے "ابو مالک" کنیت کے تین افراد ہیں. ابن دِحیہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد غزوان مازنی ہیں ڈاکٹر رفعت فوزی نے یہ تحریر فرما کر ابن دِحیہ کی غلطی نکالی کہ نہیں صاحب! یہ ابو مالک غزوان مازنی نہیں بلکہ یہ غزوان غفاری ہیں. آپ انہیں غزوان مازنی سمجھ کر بہت ظلم کر رہے ہیں.

لطیفے کی بات یہ ہے کہ خود ڈاکٹر رفعت نے جو ابو مالک غزوان غفاری تجویز فرمایا ہے. یہ بھی غلط ہے.

الزام ان کو دیتے تھے ۔ قصور اپنا نکل آیا

اصل بات یہ ہے کہ ابو مالک درحقیقت ابو مالک یزید عبدالرحمٰن الہمدانی الدمشقی ہیں. یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور یہ بہت ثقہ راوی ہیں. شام کے قاضی رہے ہیں.

---

[1] فالحكم بأن هذا الحديث موضوع كما يفهم من صنيع المصنف فيه جور كبير. وخطأ ووهم. (ایضاً)

دارقطنی، ابن حبان، ابوزرعہ رازی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں قبیلہ بنونمیر اور پھر مختلف دیہات میں لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے بھیجا تھا۔ پھر بعدازاں حکم ہوا کہ بنونمیر سے صدقات بھی وصول کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم اور صفتِ امانت قابل اعتماد تھی۔ پھر انہی صدقات کا آٹھواں حصہ خلافت نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ علم کے اتنے شائق تھے کہ اپنا کتب خانہ بھی بنایا اور پھر وہ اتنا مشہور ہوا کہ ان کا لقب ''صاحب کتب'' پڑ گیا۔[1]

بہر حال یزید بن عبدالرحمٰن ابو مالک کی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مشہور ہم عصر و ہم مسلک حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ انہوں نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر کے آغاز میں اس روایت کا تذکرہ کیا ہے اور اسے غریب اور ''انتہائی منکر'' قرار دیا ہے لیکن انہوں نے بھی وجہ غرابت ونکارت کچھ بیان نہیں کی۔ اس تفسیر پر اب تخریج وتحقیق کا کام جناب عبدالرزاق المہدی صاحب نے انجام دیا ہے، وہ بھی اس حدیث کی صحت سند کا انکار نہیں کر سکے تحریر فرماتے ہیں:[2]

وظاهر اسناده الصحة — اور بظاہر اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

لیکن اِسے منکر قرار دینے کے لیے ایک اور راویٔ حدیث سعید بن عبدالعزیز کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وهو ثقة لكن اختلط بآخره، والظاهر أنه — یہ ثقہ ہیں لیکن عمر کے آخری حصے میں روایات میں

---

[1] ان کے حالات زندگی اگر تفصیل سے جاننا ہو تو ملاحظہ ہو۔ (۱) تهذيب الكمال، باب اليا، من اسمه يزيد، ج: ۲۰، ص: ۳٤٥۔ (۲) تهذيب التهذيب، حرف اليا، من اسمه يزيد ادويزيد، ج: ۹، ص: ۳٦۰۔ (۳) الكاشف، الياء، رقم: ٦۳۳٦۔

[2] حاشية تفسير ابن كثير، سورة الاسراء، آية: ۱، ج: ٤، ص: ۸۷۔ یہاں پر بقدر ضرورت حصہ لے کر اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

روىٰ هذا الحديث بعد اختلاط، فقد تفرد بألفاظ منكرة لا يتابع عليها، فمن ذلك (صلاته عليه السلام بطيبة) و (طور سيناء) و (بيت لحم).

خلط ملط کرنے لگے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بھی اسی دور کی بیان کردہ ہے. کیونکہ انہوں نے اس حدیث میں ایسے الفاظ بیان کیے ہیں جو دیگر روایات میں نہیں ملتے جیسے حضرت رسالت مآب ﷺ کا مدینہ منورہ، طور سینا اور بیت لحم ان تینوں مقامات پر ٹھہرنا.

غور کریں تو ان کا یہ خود اقرار کرنا کہ بظاہر سند صحیح ہے، کیا ظاہر کرتا ہے؟ ایک صحیح سند کے باوجود، کیونکہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم فکر حضرات نے اِس روایت کو منکر قرار دیا ہے اس لیے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو نکالنی تھی. یہ طرزِ عمل علمی طور پر مناسب نہیں. محقق اور معلم کا کام اصل مصنف کی وکالت نہیں بلکہ حقائق کو بلا کم وکاست بیان کر دینا ہوتا ہے. ایک طرف حدیث کی سند صحیح مان رہے ہیں اور دوسری طرف پھر اس میں عیب بھی نکال رہے ہیں.

اس روایت پر تین اعتراضات کیے گئے ہیں:

① سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، عمر کے آخری حصے میں روایات میں خلط ملط کرنے لگ گئے تھے.

② یہ روایت اسی دور کی ہے.

③ اس روایت میں وہ الفاظ ہیں جو دیگر روایات میں نہیں ملتے.

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پر جن حضرات نے جرح فرمائی ہے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ان کا یہ حال عمر کے آخری حصے میں ہو گیا تھا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ موت سے پہلے یہ حالت ہو گئی تھی. ان کی عمر بوقتِ وفات ستر برس (۹۰ھ تا ۱۶۷ھ) کی تھی. وفات سے پہلے کا مطلب یہ تو لیا جا سکتا ہے کہ اس سانحے میں ایک آدھ برس قبل یہ کیفیت پیش آگئی ہو گی لیکن یہ تو نہیں کہ دس برس قبل ہی حافظے میں خلل

واقع ہوگیا تھا حضرت ابومسہر اور حضرت یحییٰ بن معین رحمہم اللہ نے یہ جرح کی ہے لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں:[1]

اختلط قبل موته، وكان يعرض عليه فيقول: لا أجيزها لا أجيزها.

وفات سے قبل وہ روایات کو ایک دوسرے سے ملا دیتے تھے اور جب بھی کوئی روایت یا حدیث انہیں سناتا تھا تو وہ فرماتے تھے کہ میں آپ کو اس روایت کی اجازت نہیں دیتا، میں آپ کو اس روایت کو بیان کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا.

ان دونوں حضرات کے الفاظ نہ صرف یہ کہ ہمارے قیاس کا قرینہ ہیں بلکہ حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ واحتیاط کو بھی ظاہر کرتے ہیں کہ جب اُنہیں اندازہ ہوگیا کہ اب ان کا حافظہ پہلے جیسا نہیں رہا تو وہ خود ہی لوگوں کو اپنے سے، روایت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے.

یہ حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کوئی معمولی راویٔ حدیث تو نہیں ہیں کہ اُن کے حافظے میں اگر کسی لمبی مدت کے لیے خلل واقع ہوگیا ہوتا تو محدثین اس کی تصریح نہ کرتے؟ کتب حدیث پر نظر رکھنے والے اس اصول کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جب کسی اہم راوی کے حافظے میں نقص واقع ہو جاتا ہے تو اس کے معاصرین میں یا ان کے فوراً بعد آنے والے محدثین کتنے بیدار مغز واقع ہوتے ہیں کہ فوراً یہ لکھ دیتے ہیں کہ دیکھیے اس راوی کی روایات فلاں سن تک یا فلاں واقعے تک یا فلاں شہر میں جانے سے پہلے تک کی تو محفوظ ہیں لیکن اس کے بعد کی روایات فلاں وجہ سے غیر محفوظ ہیں لہٰذا ان سے استدلال نہ کیا جائے.

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم کے راوی ہیں. امام طبرانی نے ان کی روایات کو پوری

---

[1] ان تفصیلات کو جاننے کے لیے ملاحظہ ہو (۱) تهذيب التهذيب، حرف السين من اسمه سعيد، ج:۳، ص: ۳۴۹. (۲) تهذيب الكمال، باب السين من اسمه سعيد، ج:۷، ص:۲۵۵. (۳) سير أعلام النبلاء، رقم: ۵، سعيد بن عبدالعزيز، ج:۸، ص:۳۲.

ایک کتاب میں جمع کیا ہے. امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الادب میں ان سے روایت لائے ہیں.
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شام میں سعید بن عبدالعزیز سے زیادہ صحیح احادیث بیان کرنے والا کوئی نہ تھا اور میرے نزدیک یہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک درجے کے امام ہیں.
جو اعتماد اور عزت اہل مدینہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تھی شام میں وہی مقام، اور وہی اعتماد اور وہی عزت اُنہیں حاصل تھی اس لیے ان کی روایات میں اگر کوئی خلل آیا ہوتا تو محدثین اسے ایسی آسانی سے قبول کر لیتے؟ اور متقدمین کی کتابوں میں کہیں یہ تصریح نہ آتی کہ ان کی فلاں اور فلاں روایات قابل قبول نہیں ہیں.

② جناب عبدالرزاق المہدی صاحب کا صرف یہ تحریر فرما دینا کہ حدیث معراج بھی اسی دور کی روایت ہے جب حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ کمزور پڑ گیا تھا، قابل تسلیم نہیں. یہ محض ان کا اپنا دعویٰ ہے انہیں چاہیے تھا کہ وہ اسماء الرجال کی کتابوں یا پھر تاریخ سے اپنے دعویٰ کا ثبوت بھی پیش کرتے لیکن وہ محض دعویٰ کر کے گزر گئے اور تاریخ سے کوئی ثبوت نہ لا سکے. انہیں چاہیے تھا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پڑھ لیتے. وہ اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء۔ جو سینکڑوں رواۃ حدیث کے احوال پر مشتمل اور تاریخ کی مستند کتاب ہے۔ میں تو یہ تحریر فرما گئے کہ سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ وفات سے پہلے کمزور پڑ گیا تھا اور وہ لوگوں کو اپنے سے روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن اسماء الرجال پر ان کی جو اصل کتاب اور محدثین و محققین کا مرجع ہے "تذکرۃ الحفاظ"، اس میں وہ بالکل خاموش ہیں اس راوی کو ثقہ اور صحیح قرار دیتے ہیں اور پھر روایات کے خلط ملط ہونے یا کسی بھی قسم کے کسی عیب کا تذکرہ کیے بغیر خاموشی سے گزر گئے ہیں۔[1]

اس لیے جناب عبدالرزاق المہدی صاحب کا دعویٰ قابل قبول نہیں.

③ ان کا تیسرا اعتراض کہ جو الفاظ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں ہیں (تین مقامات

---

[1] سعید بن عبدالعزیز الامام، رقم: ۲۰۵، ج:۱، ص:۲۱۹.

پر اُتر کر نماز ادا فرمانا) وہ اور کسی روایت میں نہیں آئے، تو یہ بات بھی درست نہیں. اِس مضمون میں ان روایات کا تذکرہ مل جائے گا جن میں یہ الفاظ آئے ہیں اور ان کے راوی نہ تو حضرت سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور نہ ہی حضرت ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ اس لیے نسائی کی یہ روایت بالکل صحیح ہے.
حضرت رسالت مآب ﷺ کا ان تینوں مقامات پر نزول اور ادائیگی نماز بالکل ثابت ہے. شیخ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ نے اس حدیث پر غور کیے بغیر ہی یہ دعویٰ کر دیا کہ سفر معراج میں آپ نہ کہیں رُکے اور نہ نماز پڑھی.
اس سلسلے میں پانچویں روایت بھی ملاحظہ ہو. یہ روایت بھی حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ہے. اس میں بھی یہی تصریح ہے کہ سفر معراج کے دوران حضرت رسالت مآب ﷺ پہلے یثرب (مدینہ منورہ علی منورھا الف الف التحیۃ والثنا) اُترے اور وہاں نماز ادا فرمائی پھر مدین نزول ہوا اور وہاں دو رکعتیں ادا فرمائیں اور تیسری مرتبہ بیت لحم، جائے پیدائش سیدنا مسیح علیہ السلام پر اُتر کر دو رکعتیں ادا فرمائیں.
یہ روایت معجم کبیر میں حافظ ابو القاسم سلیمٰن بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰ تا ۳۶۰ھ) لائے ہیں[1] اور پھر وہ اسی روایت کو "مسند الشامیین" (رقم الحدیث: ۱۸۹۴) میں بھی لائے ہیں.
اس حدیث کے ایک راوی اسحٰق بن ابراہیم بن العلاء پر اگرچہ بعض محدثین کو اعتراض ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الادب میں ان کی روایت کو لیا ہے اور امام ابو حاتم، ابن حبان اور حضرت یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہم نے ان کی توثیق کی ہے[2]. اور کہا ہے کہ شیخ سے روایت میں کوئی حرج نہیں. لیکن ان کے معاصرین ان سے حسد کرتے تھے.
امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی روایت حافظ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی لی ہے اور

---

[1] جبیر بن نفیر عن شدّاد بن أوس رضي اللّٰہ عنھم، رقم الحدیث: ۷۱۴۲، ج: ۷، ص: ۲۸۲.

[2] میزان الاعتدال، رقم: ۷۳۰، ج: ۱، ص: ۱۸۱.

اس تفسیر کے محقق عبدالرزاق المہدی اس حدیث پر حاشیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:[1]

وفيه إسحاق بن إبراهيم بن العلاء وثقه يحي بن معين وضعفه النسائي. وضعفه أبو داؤد ومحمد بن عوف الطائي، لكن للحديث شواهد.

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسحٰق بن ابراہیم بن العلاء بھی ہیں جنہیں یحیٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا انہیں ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس حدیث کے (صحیح ہونے کے) مزید ثبوت بھی ہیں.

یہ حاشیہ خود بتاتا ہے کہ اس حدیث کو جھوٹ قرار دینا کچھ اتنا سہل نہیں. متعدد محدثین نے متعدد مقامات پر اس حدیث کو بیان کیا ہے.

اس سلسلے میں چھٹی حدیث وہ ہے جو - اگرچہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے لیکن حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ "دلائل النبوۃ" میں اپنی سند سے لائے ہیں اور اس میں بھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے یہ جملے نقل کیے گئے ہیں کہ:

① ہم اس سفر (معراج) میں چلے یہاں تک کہ کھجوروں والی زمین تک پہنچے تو مجھے اتارا گیا. جبریل امین نے کہا "یہاں پر نماز ادا فرمالیجیے". میں نے نماز پڑھی ہم پھر سوار ہوئے تو انہوں نے پوچھا "آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے"؟ میں نے کہا "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں". انہوں نے کہا "آپ نے یثرب میں نماز پڑھی ہے، آپ نے پاک زمین (طیبہ) پر نماز پڑھی ہے".

② پھر ہم ایک زمین پر پہنچے تو جبریل امین نے کہا "یہاں اُتریے". میں اُترا تو انہوں نے کہا "آپ نماز ادا فرمالیجیے". میں نے نماز ادا کی پھر ہم سوار ہو گئے. انہوں نے دریافت کیا "آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے"؟ میں نے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں تو انہوں نے کہا "آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز پڑھی ہے".

---

[1] حاشية تفسير ابن كثير، الجزء: ١٥، سورة الاسراء، الاية: ١ ،ج:٤، ص:١٠٠.

③ پھر ہم اس سرزمین پر پہنچے جہاں پر محلات نظر آرہے تھے۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں اُتریں۔میں اُترا تو انہوں نے کہا" آپ یہاں بھی نماز ادا فرمائیں"۔میں نے نماز ادا کی اور پھر ہم سوار ہو گئے انہوں نے پوچھا" آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے"؟میں نے کہا" اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں"۔تو انہوں نے کہا" آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔مسیح علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے"۔[1]

اوراس روایت کو مکمل طور پر لکھنے کے بعد، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

هذا إسناد صحيح — اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث کا منکر قرار دینے والے اوراس کی سند کی کمزوریاں بیان کرنے والے تصحیح کو بھی دیکھ لیں۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے تین مقامات پر رکنے اور نماز ادا فرمانے کی ساتویں دلیل یہ بھی ہے کہ حافظ، علامہ نورالدین الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۰۷ھ) نے اس روایت کو مجمع الزوائد میں نقل فرمایا ہے اوراسے موضوع یا ضعیف قرار نہیں دیا۔اور جس نے بھی اِن کی اس کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا، جانتا ہوگا

---

[1] فانطلقت تهوي بنا، يقع حافرها حيث أدرك طرفها، حتي بلغنا أرضاً ذات نخلٍ، فأنزلني، فقال :صل. فصليت، ثم ركبنا فقال : أتدري أين صليت؟ قلت : اللّٰه اعلم. قال : صليت بيثرب، صليت بطيبة، ثم انطلقت تهوي[بنا]يقع حافرها حيث أدرك طرفها، ثم بلغنا أرضاً، فقال : انزل. فنزلت، ثم قال : صل. فصليت، ثم ركبنا فقال : أتدري أين صليت؟ قلت اللّٰه أعلم. قال : صليت بمدين، صليت عند شجرة موسىٰ عليه السلام. ثم انطلقت تهوي بنا يقع حافرها حيث أدرك طرفها، ثم بلغنا أرضاً بدت لنا قصورها، ثم قال : انزل. فنزلت، فقال : صل. فصليت ثم ركبنا قال : أتدري أين صليت؟ قلت اللّٰه أعلم. قال : صليت ببيت لحمٍ حيث ولد عيسى عليه السلام المسيح بن مريم.(دلائل النبوة للبيهقي، باب الاسراء برسول اللّٰه ﷺ من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى وما ظهر في ذلك من الآيات، ج:٢، ص:٣٥٥).

کہ اس کتاب میں آنے والی ہر حدیث پر بحث کر کے اس حدیث کا یا اس کے رواۃ کا حال بھی بیان کر دیتے ہیں. سو ان کا اس حدیث کو تسلیم کر لینا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح ہے. اور علامہ ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح اتنی بے وزن نہیں ہے کہ اس کی طرف اعتناء نہ کیا جائے۔[1]

آٹھویں دلیل میں یہ غور فرمالیجیے کہ کتب حدیث میں ایک راوی ''بکر بن زیاد الباہلی'' کا تذکرہ ملتا ہے. مشہور محدث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ اِسے جھوٹی احادیث گھڑنے والا قرار دیا ہے بلکہ اسے دجال بھی لکھا ہے. پھر اس کی ایک جھوٹی اور گھڑی ہوئی حدیث کی مثال بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک گھڑی ہوئی جھوٹی روایت ایسے بیان کرتا تھا کہ:

> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ جبریل امین اور میں بیت لحم سے گذرے تو جبریل نے کہا ''آپ یہاں اُتر کر دو رکعتیں ادا فرمائیں کیونکہ آپ کے بھائی سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام یہاں پیدا ہوئے تھے''. پھر وہ مجھے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قبر پر لے آئے اور فرمانے لگے'' آپ کے پروردگار نے یہاں سے آسمان کی طرف عروج کیا''.

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی کہ بکر بن زیاد الباہلی جھوٹا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصدیق کی ہے. لیکن اس بیان (ابن حبان) اور تصدیق (ابن حجر) سے تو بظاہر یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ دونوں حضرات بھی اس بات کے قائل ہوگئے کہ بیت لحم پر نزول اور نماز ادا فرمانے کی روایت بکر بن زیاد الباہلی کا جھوٹ ہے.

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا اور اس تصدیق کے فوراً بعد تحریر فرمایا کہ بیت لحم میں اُتر کر نماز پڑھنا، جو اس روایت میں آیا ہے یہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ بیت لحم میں اُتر کر نماز

---

[1] مجمع الزوائد، باب منه في الاسراء، رقم الحديث :٢٣٦، ج:١، ص:٢٤٢.

پڑھنے کی روایات اس روایت کے علاوہ بھی آئی ہیں اور اس سلسلے میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیت لحم میں آپ کا نزول با حلال اور نماز ادا فرمانا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے تین مرتبہ رُکنے اور نماز پڑھنے کی روایات کا انکار کیسے ممکن ہے؟

خیال رہے کہ یہ بکر بن زیاد الباہلی شیعہ رواۃ میں سے ہیں۔ علامہ طوسی نے انہیں اپنے رواۃ میں شمار کیا ہے اور سید محسن امین نے "اعیان الشیعہ" میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

4

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد المعاد" میں جو بیت اللحم والی حدیث کا انکار کیا ہے تو وہ چنداں قابل بحث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تحقیق ان کی اپنی نہیں ہے بلکہ ان کے شیخ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اور ان کی تحقیق پر بحث عنوان نمبر (3) کے تحت ابھی گذری ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تحقیقات کا معاملہ یہی ہے کہ وہ اپنے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں از سرتاپا غرق تھے، انہی کی تعلیمات سے متاثر تھے اور انہی کے نظریات پر سختی سے قائم تھے اس غلبۂ محبت کا کچھ اندازہ اس خواب سے بھی کیا جا سکتا ہے، جو اپنی وفات سے کچھ مدت پہلے انہوں نے دیکھا تھا انہیں اپنے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو آخرت میں کیا مقام ملا؟ شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے فلاں بزرگ سے اوپر کا درجہ دیا گیا ہے اور ابن قیم عنقریب آپ بھی اس درجے میں آ کر ہم سے مل جائیں گے۔[3] اللهم ألحقني بالصالحين بعفوك وبمنك

---

[1] والموضوع منه من قوله: ثم أتي بي الصخرة، وأما باقيه فقد جاء في طرقٍ أخرى فيها الصلاة في بيت لحم، وردت من حديث شداد بن أوس (لسان الميزان، رقم: ١٥٧٨، ج: ٢، ص: ٣٤٣.

[2] اعيان الشيعة، بكربن زيا د الجعفي مولاهم كوفي، رقم: ٣٠٣٣، ج: ٥، ص: ٤٩٢.

[3] وكان هوذكر قبل موته بمدة أنه رأى شيخه ابن تيمية في المنام وأنه سأله عن منزلته فقال إنه ......

اس لیے ان کے تمام عقائد وافکار کی اصل ان کے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کی کتابیں ہیں. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس امر کی تصریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:[1]

وغلب عليه حب ابن تيمية حتى كان لايخرج عن شئ من أقواله بل ينتصرله في جميع ذلك وهوالذي هذّب كتبه ونشرعلمه.

اور ان پر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ ان کی تعلیمات سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے نظریات کی علمی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور حقیقت میں یہی ہیں جنہوں نے ان کی کتابوں کو مرتب کیا اور ان کے علوم کو عام کیا.

پھر آگے چل کر ایک مقام پر مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:[2]

ومعظما من كلام شيخه يتصرف في ذلك وله في ذلك ملكة قوية ولا يزال يدندن حول مفرداته وينصرها ويحتج لها.

اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا اکثر حصہ ان کے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے کلام سے لیا گیا ہے اور اپنے اس کام میں انہیں بہت مہارت حاصل تھی. یہ اپنے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ان منفرد آراء کے اردگرد ہی گھومتے رہتے تھے (جو منفرد آراء وافکار جمہور امت کے خلاف ہیں) اور علمی دلائل سے انہی آراء کی مدد کرنے اور انہی سے استدلال کرنے میں مصروف رہتے تھے.

سو بیت اللحم کی حدیث سے انکار کا ان کا علمی جواب بھی وہی ہے جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کے سلسلے میں تحریر کیا گیا ہے.

...... أنزل منزلة فوق فلان وسمي بعض الأكابر قال له وانت كدت تلحق به. (الدرر الكامنة، ذكر من اسمه محمد على ترتيب آبائهم، رقم:١٦٧، ج:٣، ص:٤٠٣). [1] ايضاً، ص:٤٠١. [2] ايضاً، ص:٤٠٢.

5

غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ اگر مدینہ طیبہ سے حضرت رسالت مآب ﷺ کے آثار اور ان سے متعلقہ اشیاء کو نکال دیا جائے تو پھر مدینہ منورہ میں رہ ہی کیا جاتا ہے؟ مسجد نبوی کی اگر کوئی حیثیت ہے تو اسی وجہ سے ہے کہ اس کی نسبت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے. اگر اس نسبت کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو پھر اس مسجد اور کسی عام گلی یا محلے کی مسجد میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

شرک اور بدعت کے نام سے آثار کو مٹایا گیا اور سد ذرائع کا اتنا شور مچایا گیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے اہل بیت، صحابہ کرام اور اسلاف اُمت رضی اللہ عنہم سے روگردانی کرنے والے فرقے وجود پذیر ہوئے. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر بارہویں صدی تک کے تمام اسلاف کرام رحمہم اللہ بیک قلم بدعتی قرار پائے اور اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ اب آنے والی نسلوں میں بھی نئے محققین۔ جن کی نظر محض چند کتابوں تک محدود ہوتی ہے اور بجائے وسعت ظرفی اور تحقیق کے محض اپنے ایک خاص عقیدے کی روایات جمع کرتے ہیں اور جنہیں محقق کہنا بھی قابل نظر ہے۔ پیدا ہو رہے ہیں اور مخطوطات پر کام کر رہے ہیں، یہ سب ایک نئے عقیدے کی ترویج اور تاریخ میں تحریف کرنے میں مشغول ہیں.

اور دوسرا اثر یہ ہے کہ اب زمانہ بدل چکا ہے یہ تیل کی دولت اور میڈیا کا زمانہ ہے. اسلاف کی کتابیں جن کی مدت تحریر تقریباً بارہ سو سال بنتی ہے، چھپ چھپ کر سامنے آرہی ہیں. ان کتابوں میں بے شمار مقامات پر بے شمار متقدمین اہل علم کے یہ جملے ملیں گے. ''فلاں بزرگ کے مزار پر دعا قبول ہوتی ہے''. ''فلاں بزرگ نے یہ خواہش یا وصیت کی کہ انہیں فلاں بزرگ کے پہلو میں دفن کیا جائے'' اور پھر ایسے جملوں پر ان نئے محققین کا یہ حاشیہ بھی مل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو معاف کرے یہ بدعت ہے، یہ شرک ہے. ان محققین سے کوئی پوچھے کہ ان ''بدعتی'' اور ''مشرک'' اسلاف کی کتابوں کو آخر تم چھپوا ہی کیوں رہے ہو؟ ان پر تحقیق کا کیا احتیاج ہے؟ اپنے لیے کوئی نئے اسلاف کیوں نہیں

پیدا کر لیتے؟

تمام اُمت کو بدعتی اور مشرک قرار دینا سہل ہو گیا ہے اور اپنے مزعومہ عقائد وافکار پر نظر ثانی دشوار ہے. بارہ سو سال تک عمل اور عقیدہ یہی رہا ہے کہ اماکن اور رجال (مقامات اور افراد) میں برکات ہوتی ہیں. اہل اللہ کے مزرات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کے پہلو میں قبر کی جگہ مل جائے، تو اس کی اپنی برکات ہیں لیکن ایک طرف یہ غلو اور گمراہی کہ مزارات کو عبادت گاہیں بنالیا گیا اور دوسری طرف یہ گمراہی کہ پوری اُمت کو گمراہ، مشرک اور بدعتی بتا بتا کر اُن کے خون کو جائز، اُن کے اموال لوٹنے کو مباح اور ان کے آثر ومقابر کو مسمار کر دیا گیا ہے. اعتدال کی راہ گم ہو کر رہ گئی.

اگر حضرت رسالت مآب ﷺ کے آثار متبرکہ میں کچھ نہیں ہے تو پھر یہ روضۂ اطہر میں کیا ہے؟ اگر وہ قبر مبارک کسی بھی طرح لائق احترام نہیں ہے تو پھر اس پر گنبد اور اس کی عمارت کو کیوں نہیں مٹایا دیا جاتا؟ کیا یہ شرک وبدعت ترویج کا مرکز نہیں ہے؟ معاذ اللہ، استغفر اللہ.

شاید یہ سب کچھ بھی کر گذرتے، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ پوری اُمت سراپا احتجاج بن جائے اور اُٹھ کھڑی ہوگی، وگرنہ تو ان سے کوئی بعید نہیں تھا کہ جس طرح جنت البقیع اور مکہ مکرمہ میں لاتعداد مآثر اور عمارتیں شرک وبدعت کا مرکز قرار دے کر، گرادی گئیں، کم سے کم گنبد خضریٰ کو تو توڑ ہی دیا جاتا. اللہ تعالیٰ اس دن کے لیے باقی نہ رکھے.

اور تیسرا اثر یہ ہوا کہ شعائر اللہ کی تعظیم ایسے لوگوں کے دلوں سے رخصت ہوگئی. ان کا طرز عمل اور سلیقۂ گفتگو بتاتا ہے کہ وہ اپنے خود اختراع کردہ توحید کے نشے میں کسی کا ادب کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہیں. ان کے اسلاف اگر بدعتی تھے تو بھی باادب تھے اور اگر یہ موحد ہیں تو بھی بے ادب ہیں. کیا اعتدال کے ساتھ توحید اور ادب کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے؟ آج سے پچاسی برس پہلے حضرت رسالت مآب ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ''سیدنا'' کے لفظ کا استعمال ممنوع تھا اور آج یہی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مسجد نبوی کے دروازوں پر بحکم فرماں روا، کندہ نظر آئیں گے. ہر وہ نظریہ جس کی بنا

اندھے جذبات پر رکھی جاتی ہے اور اسے جبراً نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ اپنا سحر کھو دیتا ہے اور پانی اپنی اصل حالت پر لوٹ آیا کرتا ہے.

اگر مدینہ طیبہ میں کچھ نہیں ہے تو حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کیا ہو گیا تھا؟

موطاء امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

> جب مجلس سے اُٹھ کر عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہما چلے تو عمر بن خطاب (امیر المومنین رضی اللہ عنہ) نے انہیں واپس بلایا اور فرمایا:[1]
>
> ''کیا آپ اس نظریے کے قائل ہیں کہ مکرمہ، مدینہ طیبہ سے بہتر ہے'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''وہاں اللہ تعالیٰ کا حرم ہے. اس نے وہاں امان دی ہے اور پھر اس شہر میں اس کا گھر ہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں بیت اللہ اور حرم کی بات نہیں کر رہا کیا آپ اس نظریے کے قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے بہتر ہے'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عرض کیا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا حرم ہے اس نے وہاں امان دی ہے اور پھر اسی شہر میں اس کا گھر ہے.
>
> حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کی بات نہیں کر رہا''. اور پھر واپس تشریف لے گئے.

اس موقع پر یہ بحث نہیں ہے کہ حرمین شریفین میں کس کو کس پر فضیلت حاصل ہے لیکن غالباً امیر المومنین

---

[1] فلما أدبر عبدالله، ناداه عمر بن الخطاب فقال: أأنت القائل لمكة خير من المدينة؟ فقال عبدالله: فقلت هي حرم الله وأمنه وفيها بيته. فقال عمر: لا أقول في بيت الله ولا في حرمه شيئاً. ثم قال عمر: أأنت القائل لمكة خير من المدينة؟ قال: فقلت هي حرم الله وأمنه وفيها بيته. فقال عمر: لا أقول في حرم الله ولا في بيته شيئاً. ثم انصرف. (الموطا، كتاب الجامع، باب جامع ماجاء فى أمر المدينة، رقم الحديث: ٢١، ج:٢، ص: ٨٩٤).

رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی ہوگی کہ حضرت عبداللہ بن عیاش مخزومی رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ کو مدینہ طیبہ پر ترجیح دیتے ہیں تو انہیں اپنا موقف بتایا کہ مدینہ طیبہ، مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔

مدینہ منورہ کو کیوں افضل مانتے تھے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے پیچھے چلنے والوں کو اس میں بھی کوئی برکت نہیں ملتی کہ کوئی شخص حضرت رسالت مآب ﷺ علیہ کے پہلو میں جگہ پائے لیکن اس برکت کی حقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھیے۔[1]

''عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا (جب وہ قاتلانہ حملے کی وجہ سے شدید زخمی تھے، تو) انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور فرمایا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیں اور عرض کریں ''عمر بن خطاب آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہے'' اور پھر ان سے دریافت کرلیں ''کیا وہ اس بات کی اجازت دیں گی کہ مجھے میرے دونوں دوستوں کے ساتھ (ان کے حجرے میں) دفن کی جگہ مل جائے''؟

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گئے اور دریافت کیا تو) ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے تو وہ جگہ اپنے لیے تجویز کی تھی لیکن آج ضرور میں عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: ياعبدالله بن عمر، اذهب إلى أم المومنين، عائشة رضي الله عنها، فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أدفن مع صاحبي، قالت: كنت أريد لنفسي، فلأوثرنه اليوم على نفسي، فلما أقبل، قال له: مالديك؟ قال: أذنت لك يا أمير المومنين، قال: ما كان شئ أهم إلى من ذلك المضجع، فإذا قبضت فاحملوني ثم سلموا، ثم قل: يستاذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لي فادفنوني، وإلا فردوني إلى مقابر المسلمين(صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما، رقم الحديث: ١٣٩٢).

کو اپنی جان پر ترجیح دوں گی''۔

جب عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس ہوئے تو (ان پر نظر پڑتے ہی جلدی سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا ''آپ کیا خبر لائے ہیں'' عرض کیا: ''امیر المومنین انہوں نے آپ کے لیے اجازت دے دی ہے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میرے لیے سب سے زیادہ فکر کی بات (اپنی قبر کے لیے) اس جگہ کا ملنا ہی تھا سو دیکھو جب میرا انتقال ہو جائے تو جنازہ اُٹھا کر لے جانا اور پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سب لوگ سلام پیش کرنا اور عرض کرنا عمر (اپنے دفن ہونے کے لیے) جگہ کی اجازت مانگتا ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دیں وگرنہ پھر عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیں''۔

مدتوں جس جگہ کے لیے امیر المومنین کو فکر رہا اور ام المومنین جس مقام کو اپنے لیے تجویز فرماتی ہوں۔رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔جب اس جگہ میں کوئی تقدس کوئی فضیلت، کوئی اہمیت اور کچھ آخرت کا فائدہ نہیں ہے تو پھر یہ حضرات کس فکر میں گھلا کیے؟ کیا یہ سب عبث اور بے کار امور تھے؟

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

(میرے محبوب وہ زمین جہاں تیرے پاؤں کا نشان باقی رہا ہے، تیری قدر جاننے والے اس نشان پر بھی برسہا برس سجدہ کرتے رہے ہیں) جس نظریے کو دنیا بھر میں پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہیں. اس کے پرچار کرنے والے اس حدیث سے جو کچھ بھی سمجھیں لیکن اُمت نے اس حدیث سے کیا سمجھا تھا وہ بھی ملاحظہ ہو. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:[1]

---

[1] وفيه الحرص علي محاورة الصالحين في القبور طمعاً في إصابة الرحمة إذا نزلت عليهم وفي ......

’’اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح اور نیک حضرات کے قریب دفن ہونے کی تمنا درست ہے اور یہ اس امید پر کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جب ان صالح حضرات پر نازل ہوگی تو اس کے قریب کی قبر والے کو بھی اُس رحمت میں حصہ ملے گا. اور جو نیک لوگ اس صالح شخص کی قبر کی زیارت کے لیے آئیں گے، تو جہاں اس کے لیے دعا مانگیں گے، وہاں اس قریبی قبر والے کے لیے بھی دعا مانگ لیں گے‘‘.

تاریخ اُٹھا کر دیکھ لی جائے ہزاروں مفسرین، محدثین، فقہاء اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ ملیں گے جن کی تمنا عمر بھر یہ رہی کہ فلاں کے پہلو میں دفن ہوں اور فلاں شہر یا فلاں قبرستان میں جگہ مل جائے، وصیت کرتے رہے اور حتیٰ کہ وفات سے پہلے اپنی قبروں کی جگہ کا تعین بھی کرتے رہے اس امید پر کہ اگرچہ خود تو اس قابل نہیں ہوں لیکن ہمسائیگی کا مسلم اثر اس کریم اور جواد کی رحمت سے محروم نہ کرے گا. اس سلسلے میں بطور نمونہ صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے.

جناب حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۳ھ مشہور مصنف، صاحب علم اور معروف شخصیت ہیں، مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور جب حج کے دوران زمزم پینے کے لیے پہنچے تو تین گھونٹ پیے اور تین دعائیں مانگیں۔[1]

پہلی دعا یہ مانگی کہ تاریخ بغداد (جو کہ اس وقت تحریر فرما رہے تھے) مکمل ہو جائے. اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ مانگ پوری کی، تاریخ بغداد مکمل ہوئی اور اب تو کئی مرتبہ چھپ بھی چکی ہے.

......دعاء من يزورهم من أهل الخير. (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي صلي الله عليه وسلم وابي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما، ج:٤، ص:١٩٧، رقم الحديث: ١٣٩٢).

[1] قال الحافظ ابن عساكر : سمعت الحسين بن محمد يحكي، عن ابن خيرون أو غيره، أن الخطيب ذكر أنه لما حج شرب من ماء زمزم ثلاث شربات، وسأل الله ثلاث حاجات، أن يحدث (بتاريخ ......

دوسری دعا یہ مانگی کہ عالم اسلام کی مشہور درس گاہ جامع منصور میں علم حدیث پڑھانے کی اجازت وتوفیق ملے، یہ دعا بھی پوری ہوئی.

تیسری دعا یہ مانگی کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اکابر اولیاء کرام میں سے تھے ان کے پہلو میں قبر کے لیے جگہ ملے.

جب ان کا انتقال ہوا اور ان کے اہل خانہ ان کی وصیت کے مطابق قبر کی جگہ دیکھنے قبرستان پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر تو ہر طرف سے لوگوں سے گھر چکی تھی. صرف ایک جگہ خالی تھی لیکن وہاں بھی ایک قبر کھدی ہوئی اور بالکل ایسے تیار رکھی ہوئی تھی جیسے اپنے مہمان کا انتظار کر رہی ہو. یہ قبر کس نے کھودی اور تیار کی تھی؟ جب جستجو شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ بغداد کے ایک نوجوان صوفی شیخ ابوبکر بن زہراء نے وہ جگہ پہلے ہی سے اپنے لیے منتخب کر رکھی ہے. وہ ہر ہفتے ایک مرتبہ اپنی اس قبر میں آ کر پورا ایک قرآن کریم مکمل پڑھتے ہیں تا کہ جب انہیں دفن کیا جائے تو یہ گھر انوار قرآنی سے منور ہو اور پھر اس میں ایک رات سوتے بھی ہیں.

بغداد کے محدثین اور حضرت خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے ورثاء نے ان صوفی صاحب سے رابطہ قائم کیا اور درخواست کی کہ وہ قربانی دیں اور یہ قبر حضرت خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے چھوڑ دیں تو یہ صوفی صاحب اگرچہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو بخوبی جانتے تھے لیکن اس معاملے میں کہنے لگے "یہ قبر میں نے اپنے لیے کھودی اور تیار کی ہے. کیا اب آپ لوگ اِسے مجھ سے چھینا چاہتے ہیں"؟ ان محدثین نے اس صوفی شیخ ابوبکر بن زہراء کے گھر کا رخ کیا اور ان کے والد احمد بن علی سے ملے. معاملہ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا:

"میرے بیٹے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ یہ قبر کی جگہ ان لوگوں کو دے دیں.

...... بغداد) بها، وأن يملي الحديث بجامع المنصور، وأن يدفن عند بشر الحافي. فقضيت له الثلاث.

(سير أعلام النبلاء، الخطيب البغدادي،أحمدبن علي بن ثابت، رقم:١٣٧، ج:١٨،ص:٢٧٩).

لیکن یہ دریافت کرتا ہوں کہ اگر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا زمانہ ہوتا اور آپ ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور اچانک حضرت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آتے تو کیا آپ ان کے مرتبے اور شخصیت کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ نہ دیتے ؟ اور کیا آپ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں اپنے بجائے حضرت خطیب رحمۃ اللہ علیہ کو جگہ نہ دے دیتے"۔

صوفی ابوبکر بن زہراء رحمۃ اللہ علیہ سوچتے رہے اور پھر والد صاحب سے عرض کیا:

"یقیناً والد میں ایسے ہی کرتا"۔

احمد بن علی نے کہا:

"بیٹے تو آج یہی سمجھ لو کہ وہی منظر درپیش ہے" نوجوان صوفی بات سمجھ گیا اور اپنی تدفین کی جگہ سے دستبردار ہو گیا۔[1]

حضرت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کیسے بخت آور تھے کہ وہ قبر ملی جس کو نور سے بھرنے کے لیے ایک

---

[1] قال أبو البركات إسماعيل بن أبي سعد الصوفي : كان الشيخ أبوبكر بن زهراء الصوفي برباطنا، قد أعد لنفسه قبراً إلى جانب قبر بشر الحافي، وكان يمضي إليه كل أسبوع مرةً، وينام فيه، ويتلو فيه القرآن كله، فلما مات أبوبكر الخطيب، كان قد أوصى أن يدفن إلى جنب قبر بشر، فجاء أصحاب الحديث إلى ابن زهراء، وسألوه أن يدفنوا الخطيب في قبره، وأن يوثره به، فامتنع، وقال : موضع قد أعددته لنفسي يو خذ مني ! فجاؤوا إلى والدي، وذكروا له ذلك، فأحضر ابن زهراء وهو أبوبكر أحمد بن علي الطريثيثي فقال : أنا لا أقول لك أعطهم القبر، ولكن أقول لك : لو أن بشراً الحافي في الأحياء وأنت إلى جانبه، فجاء أبو بكر الخطيب ليقعد دونك، أكان يحسن بك أن تقعد أعلى منه ؟ قال : لا، بل كنت أجلسه مكاني. قال : فهكذا ينبغي أن تكون الساعة. قال : فطاب قلبه وأذن.

(سير أعلام النبلاء، الخطيب البغدادي، أحمدبن علي بن ثابت، رقم:۱۳۷، ج:۱۸، ص:۲۷۹).

صوفی نے کتنے ہی قرآن پڑھے تھے اور کس خلوص سے اس قبر کو امن کی جگہ قرار دینے کے لیے التجاوزاری کی تھی.

جس جگہ کی تمنا اور دعا خطیب بغدادی نے زمزم پی کر بیت اللہ میں کی تھی بالآخر وہ جگہ انہیں نصیب ہوئی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمسائے بنے. اگر حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے پہلو میں جگہ ملنا کوئی برکت کی بات نہیں ہے تو پھر یہ سب کچھ کیا تھا؟ ابھی تو یہ اسلاف کا ایک نمونہ پیش کی گیا ہے وگرنہ ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے. شرک و بدعت کا فتویٰ دینے سے پہلے یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ اس کی زد کہاں کہاں جا کر پڑے گی. اچھا محقق اور سلجھا ہوا عارف باللہ وہ ہے جو ہمیشہ اپنی حدود کو پہچانتا رہے اور جب آدمی اپنی حدود میں رہ کر خود شناس ہو جاتا ہے تو پھر وہ واصل باللہ، ہو جاتا ہے.

علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

؎ تلاش او کنی جز خود نہ بینی تلاش خود کنی جز او نہ یابی

اس کی تلاش میں نکلو گے تو اپنے علاوہ کسی کو نہ پاؤ گے اور اپنی تلاش میں نکلو گے تو اس کے علاوہ کوئی نہ ملے گا (اسرار و رموز بے خودی)

وہ حدیث جس میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے تین مقامات پر نزول اور نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اکابرین اُمت اس روایت سے یہی سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار واجب الاحترام ہوتے ہیں. حضرت رسالت مآب ﷺ کی جائے پیدائش اور وہ گھر جہاں آپ پر ہزاروں مرتبہ وحی نازل ہوئی لائقِ صد احترام اور محفوظ رکھنے کا مقام تھا جسے افسوس کہ معرفت و ذوق کی قلت اور علم کی کمی نے جبراً مسمار کر دیا. شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، حافظ ابن کثیر اور ان کے متبعین رحمہم اللہ جن احادیث کو بے اصل اور منکر بتاتے رہے، یہ خود اُن کا بہت بڑا تسامح تھا. سامحھم اللّٰہ وإیانا.

****

حدیثِ وفا

اربابِ ذوق کی خدمت میں "حدیث وفا" کے عنوان سے عشق و محبت کا ایک گراں قدر ہدیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے رنگ میں ڈوب کر یہ سطور سپردِ قرطاس کی گئی ہیں۔ مردِ خدا کے لئے متاعِ کونین سے عزیز تر اور اس کا حاصلِ حیات وہ ناطہ ہے، جو اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پیوست ہے۔

"حدیث وفا" اسی ناطے کو سرسبز و شاداب رکھنے کا سامان اور اسی عہدِ وفا کی تذکیر ہے جو صبحِ ازل میں منعقد ہوا تھا اس کتاب کا محور یہی ہے اور تمام روایات اسی مرکز کے گرد مصروفِ طواف ہیں۔

"حدیث وفا" ان دیوانگانِ عشق کے تذکرے سے بھی معمور ہے جن کی عقل کی منزل اور عشق کا حاصل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود تھا۔ وہ جس ذات کو دیکھ کر جیتے تھے اسی کے پیغام کو پھیلانے میں مر مٹے۔ ان پیکرانِ وفا کا ذکرِ خیر ان سے مربوط ہونے کی دلیل اور ان کے حالات اس خبر کے پیغام رساں کہ۔

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

محدثین عظام اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث اربعہ کو امہات میں شمار کیا ہے "حدیث جبریل" ان میں سے ایک ہے۔

حدیث جبریل میں کامل دین کو تین شعبوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

(۱) ایمان (۲) اسلام (۳) احسان

"حدیث وفا" کا قاری ذرا عمیق نظر سے جائزہ لے تو ان تینوں شعبوں کی روح جو عمل پر آمادہ اور مہمیز شوق لگاتی ہے، وہ "عشق و محبت" ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

"حدیث وفا" اسی عشق کی بادِ بہاری کا نام ہے۔ ہر حکایت اور ہر روایت اس اصلِ حیات کو فروغ دیتی ہے۔ مصنف نے روشنائی کی بجائے عشق سے یہ ارمغان مرتب کیا ہے۔ کیا عجب کہ کسی دل کے نہاں خانے میں پھر سے یہ حدیث وفا حدیث عشق کی بھٹی سلگا دے۔

ادارہ المناد، شفیع پلازہ، بینک روڈ صدر، راولپنڈی۔

فون نمبر: 0092-51-5111725

موبائل: 0092-333-5134333